فکر صدر الافاضل کا نقیب علمی، فکری، تحقیقی کتابی سلسلہ

۷۰ واں عرس
صدر الافاضل
مبارک ہو

سوادِ اعظم
دہلی

September 2016

قبروں سے نعش نکالنے کا رحجان اور اس کے اثرات
پہلے قبروں کو کھودنا برا سمجھا جاتا تھا آج اس عمل کو کرامت بتایا جا رہا ہے

مسلم سماج کا ننگا سچ

صدر الافاضل: ایک بے مثال مفسر

مسلمانوں سے چند مخلصانہ گزارشات

تصوف اور اکیسویں صدی کے صوفیہ

ایڈیٹر
غلام مصطفےٰ النعیمی

Rs.25/-

بیادگار

استاذ العلماء فخر الاماثل صدر الافاضل الشاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ الہادی

ماہی سوادِ اعظم دہلی

تاریخ اجراء
ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۶ء

جلد ۵ — شمارہ ۱۲

ایڈیٹر
غلام مصطفےٰ نعیمی

بظل عاطفت نبیرانِ صدر الافاضل
حضرت علامہ سید عظیم الدین نعیمی
حضرت علامہ سید نجم میاں صاحب قبلہ نعیمی

مجلس ادارت

مشیر خاص	:	علامہ محمد ہاشم صاحب نعیمی
معاون مدیر	:	محمد منظم خان ازہری
تزئین کار	:	مستفیض احمد نعیمی

ممبرشپ

قیمت فی شمارہ	۲۵ ر روپے
سالانہ	۱۰۰ ر روپے
اعزازی	۵۰۰ ر روپے
بیرون ممالک	۲۵ رامریکی ڈالر

مجلس مشاورت

مفتی محمد ایوب نعیمی رضوی پرنسپل جامعہ نعیمیہ	(مرادآباد)
مفتی سلیمان نعیمی برکاتی	(مرادآباد)
مولانا سید ہاشم نعیمی خانقاہ نعیمیہ	(مرادآباد)
مفتی ذوالفقار نعیمی	(کاشی پور)
محمد میاں مالیگ	(برطانیہ)
مفتی محمد راحت خان قادری	(بریلی)
مولانا نور محمد نعیم القادری	(ممبئی)
مولانا نیاز احمد مالیگ	(برطانیہ)
مولانا عبد السبحان نعیمی	(دہلی)

نوٹ: کسی بھی طرح کی قانونی یا عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں ہی قابل سماعت ہوگی۔ (ادارہ)

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

Email-gmnaimi@gmail.com
sawadeazam@gmail.com

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

ماہی سوادِ اعظم دہلی ۴۲۳ مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔۶
Mob:.9717285505-9758788590

SAWAD-E-AZAM (Quarterly) 423 Matia Mahal Jama Masjid Delhi-6
Mob:.9717285505-9758788590

مشمولات سواد اعظم

AAA

مہمان اداریہ

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی
پرنسپل مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

قبر سے نعش کے نکالنے کا رجحان……اور اس کے مضر اثرات

''جماعت اہل سنت'' ایک ایسی جماعت ہے جو کسی بھی معاملہ میں افراط وتفریط سے پاک ومنزہ ہے……حق بات کو حق کہنا اور غلط کو غلط کہنا …… ہمیشہ سے اس جماعت کا شیوہ رہا ہے…… کسی غلطی کے معاملہ میں نہ اپنوں کی رعایت کی جاتی ہے اور نہ غیروں کا خیال کیا جاتا ہے……اگر کوئی اپنا ہوکر کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے لیے بھی وہی حکم ہوتا ہے جو شریعت کا ہوا کرتا ہے اور اگر یہی غلط کام کوئی غیر کرتا ہے تو اس کے لیے بھی وہی حکم دیا جاتا ہے جو غلط کام کے کرنے پر اپنوں کے لیے صادر کیا جاتا ہے……اپنوں اور غیروں کے لیے الگ الگ پیمانے کسی اور جماعت کا خاصہ ہوسکتا ہے……جماعت اہلسنت کے یہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے……اسی لیے یہ جماعت عہد نبوت سے لے کر اب تک تابندہ ودرخشاں ہے……اور ان شاء اللہ ہر دور میں اس جماعت کی تابندگی برقرار رہے گی……یہی اس جماعت کی شناخت ہے اور لازمہ بھی……میں نے جماعت کی بات کہی ہے افراد کی نہیں …… افراد میں سے کوئی فرد اچھا ہوا کرتا ہے اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو نہ صرف اچھا ہوتا ہے بلکہ بہت ہی اچھا ہوا کرتا ہے……انہیں افراد میں سے ایک ایسا بھی فرد وجود میں آجاتا ہے جو منفی سوچ رکھتا ہے اور جماعت سے ٹکرانے کی کوشش کرتا ہے اور پورے طور پر ''جماعتی نظام'' کو درہم وبرہم کرنے کی کوشش کرتا ہے……ایسا فرد دماغی اعتبار سے کمزور ہوا کرتا ہے اور اس کا شعوری توازن ادھر اُدھر ہوکر رہ جاتا ہے …… اسی لیے ایسوں کے لیے علاج ہی تجویز کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ کوئی اور کیا کرسکتا ہے؟……

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ایسا فرد کون ہے؟ اور اس کا اتہ پتہ کیا ہے؟ کسی کو پتہ اس وقت بتایا جاتا ہے جب اس کا کوئی پتہ نہ ہو اور جس کا پتہ چڑھتے سورج کی مانند ہوتا ہے اس کا پتہ بتانا حماقت ونادانی پر مبنی ہے……ایسے ہی کچھ لوگ منصہ شہود پر آئے اور انہوں نے ایسا کام کر دیا جو باعث ننگ وعار ثابت ہوا……فردیت کے لیے بھی اور جماعت کے لیے بھی……اسی لیے ایسے کاموں سے کہیں فردیت نالاں ہوتی ہے اور کہیں جماعت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا کرتا ہے……

اِدھر کچھ سالوں سے ''دفن کے بعد نعش کے نکالنے'' کا رجحان بڑھتا جارہا ہے……ایک کے بعد ایک واقعہ سامنے آرہا ہے ……اس کام کو انجام دینے والا عوام میں سے نہیں ہے اور نہ ہی جاہلوں اور گنواروں میں سے ہے بلکہ یہ کام وہ انجام دے رہا ہے جو خواص میں سے ہے اور پڑھے لکھوں کی جماعت میں سے ہے……جو ظاہری طور پر سفید پوش ہے اور پاکیزہ طینت بھی ہے……جس کا ایک اپنا دائرہ ہے اور حلقہ بھی ہے……اگر ایسے لوگ یہ کام کرتے رہے تو پھر زمانہ کا کیا حال ہوگا؟ جاہل تو پھر بھی اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتا ہے اور یہ کیسا پڑھا لکھا ہے جس کا دل خوف خدا سے آشنا نہیں……قبر ایک ایسی منزل ہوتی ہے جس کے تصور ہی سے قلب وجگر لرزنے لگتے ہیں اور ان کا دل کس قدر سخت ہے کہ قبر میں جھانکنے کے باوجود دل نرم نہیں ہوتا……جب دل میں نرمی پیدا نہیں ہوتی تو پھر اس میں خوف وخطر کا احساس کیسے نمایاں ہوگا؟ یہ لمحہ فکریہ بھی ہے اور جائے عبرت بھی ……ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر شرعی اعتبار سے غور کیا جائے……

اس تحریر سے میرا مقصد صرف راستہ دکھانا ہے……اور تاریک راتوں میں حق وصداقت کا چراغ جلانا ہے……میری یہ گفتگو دو مرحلوں میں ہوگی……

پہلا مرحلہ……قبر کھودنے کا شرعی حکم

دوسرا مرحلہ……قبر سے جسم یا بقیہ جات کے نکالنے کا شرعی نظریہ

پہلا مرحلہ……قبر کھودنے کا شرعی حکم

اس مرحلے کا تعلق ''قبر کھودنے کے شرعی حکم'' سے ہے.....قبر کھودنے کا مسئلہ اس وقت آتا ہے جب میت کو دفن کر دیا جائے اور اس کی قبر تیار کر دی جائے.....دفن اور قبر کی منزل پر آنے سے پہلے ہمارے علمائے کرام نے کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے؟ اس پر روشنی ڈالی جارہی ہے.....اس بارے میں مجدددین وملت امام اہلِ سنت فاضل بریلوی کا ایک شعر ہے، آپ فرماتے ہیں ؎

مجرم کو نہ شرماؤ احباب کفن ڈھک دو
منھ دیکھ کے کیا ہوگا پردے میں بھلائی ہے

اس شعر میں ایک زبردست پیغام ہے اس میں نہ دفن کا ذکر ہے اور نہ ہی قبر کا تذکرہ کیا گیا ہے بلکہ اس میں صرف کفن کا ذکر ہے.....اور کفن کھول کر منھ دکھانے کی بات ہے..... ہمارے ہندوستان کے تمام علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کو کفنانے کے بعد کفن کھول کر منھ دکھایا جاتا ہے نماز سے پہلے بھی اور نماز کے بعد بھی.....اسی طرح میت کو قبر میں لیٹانے کے بعد بھی منھ کھول کر دکھایا جاتا ہے.....امام احمد رضا اپنے اس شعر میں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ میت کو کفنانے کے بعد اس کا چہرہ نہیں دکھانا چاہیے.....کہ میت کا چہرہ کفن میں ڈھکا رہے اسی میں بھلائی ہے اور اسی میں خیر وفلاح ہے.....میت کو کفن میں چھپانے کی یہ پہلی منزل ہے.....اس کے بعد اس کو چھپانے کی دوسری منزل آتی ہے جسے دفن سے تعبیر کیا جاتا ہے.....

دفن کی تعریف...

الدفن فی اللغة ...المواراة والستر یقال دفن المیت واراہ ودفن سرہ کتمہ وفی الاصطلاح مواراة المیت فی التراب...

(الموسوعۃ الفقہیہ ج ۲۱ ص ۸ر)

ترجمہ.....دفن کا معنی لغت میں چھپانا اور پردہ کرنا ہے جیسا کہ بولا جاتا ہے ''دفن المیت'' میت کو چھپا دیا اور اسی طرح بولا جاتا ہے ''دفن سرہ'' یعنی اس کے راز کو چھپا دیا۔

دفن کرنے کا یہ طریقہ کوئی نیا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ برسوں پرانا ہے.....حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کے عہد پاک سے شروع ہوا جو آج تک جاری ہے.....اور اس بارے میں اب تک کسی کا انکار ثابت نہیں.....اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسی کی ہدایت ہے جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے:

فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوءة اخیہ قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءة اخیہ فاصبح من الندمین...

(سورہ مائدہ آیت ۳۱)

ترجمہ.....تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے..... بولا ......ہائے خرابی! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔

(کنز الایمان)

میت کو وہاں دفن کیا جائے جہاں دفن کرنے میں میت کو فائدہ پہنچے ......اس میں دفن کیا جائے جہاں صالحین کی قبریں ہوں یا پھر شہر کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے.....حضور صدر الشریعۃ فرماتے ہیں:

مسئلہ.....میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ جائز نہیں کہ میت کو زمین پر رکھ دیں اور چاروں طرف سے دیواریں قائم کر کے بند کر دیں ......مسئلہ.....جس جگہ انتقال ہوا اسی جگہ دفن نہ کریں کہ یہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص ہے.....بلکہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں مقصد یہ کہ اس کے لیے کوئی خاص مدفن نہ بنایا جائے......میت بالغ ہو یا نابالغ...... (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۱۵۷)

اس کے علاوہ دفن کے اور بھی مسائل ہیں جو فقہ کی عام کتابوں میں مذکور ہیں......اس مقام پر بتانا یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جب تک رہا کرتا ہے اس کی نوعیت اور ہوتی ہے اور جب موت کے آغوش میں سو جاتا ہے تو اس کی حالت اور ہو جاتی ہے اور کفنانے کے بعد برزخ کی حالت شروع ہو جاتی ہے اس حالت کو چھپانے کے لیے ابتدائی صورت میں کفن کا استعمال کیا گیا......اس کے بعد دفن کی منزل آتی ہے پھر اس کے بعد اس کی حالت کو چھپانے کے لیے مٹی کا استعمال کیا جاتا ہے ......اور پھر اس کی قبر تیار کی جاتی ہے......

قبر کسے کہتے ہیں لغت میں اس کا کیا معنی لیا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کا کیا مفہوم ہوتا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے درج ذیل عبارت کو پڑھیں......

قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے، لغت میں ہے:

القبر ...مدفن الانسان وجمعه قبور ...
المقبره ايضاً موضع القبر وفى الحديث ...
نهى عن الصلاة فى المقبرة اقبر اذا امر
انساناً يحفر قبراً قال ابو عبيده ...قالت
بنو تميم للحجاج كان قتل صالح بن عبد
الرحمٰن اقبرنا صالحاً اى ائذن لنا فى ان
نقبره فقال دونكموه

(لسان العرب لابن منظور جلد ۳۹ ص ۳۵۰۹/۳۵۱۰)

ترجمہ......قبر انسان کے دفن ہونے کی جگہ ہے اس کی جمع ''قبور'' آتی ہے اور ''مقبرہ'' کا بھی یہی معنی ہے......''اقبر'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی انسان کو اس بات کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ قبر تیار کرے......ابو عبیدہ نے کہا: بنو تمیم نے حجاج بن یوسف سے کہا "اقبرنا صالحا" جب اس نے صالح بن عبد الرحمٰن کو قتل کر دیا......ہمیں صالح کی قبر تیار کرنے کی اجازت دیجئے......حجاج نے کہا تم انہیں چھوڑ دو۔

شریعت کی اصطلاح میں قبر اس خاص مقام کو کہا جاتا ہے جو زمین سے بالشت بھر اونچی اور کوہان نما ہو اور جس میں مقبور ہو......شرعی قبر ہونے کے لیے مقبور کا ہونا ضروری ہے......اور اس وقت ضروری ہے جب اس تدفین کے عمل کو انجام دیا جا رہا ہو......قبر کی بالشت بھر اونچائی اور کوہان نما تو کوئی بھی بنا سکتا ہے اور کسی وقت بھی بنا سکتا ہے مگر مقبور کی فراہمی بہت زیادہ دشوار ہے......اور جو قبر مقبور کے بغیر ہو اس کی صورت قبر کی سی ہو سکتی ہے مگر شرعی اعتبار سے اسے قبر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

اللہ تبارک تعالی نے مسلمانوں کو قبر والا بنایا یہ بھی اس کا احسان ہے اور اس کا اپنے نیک بندوں پر انعام ہے......کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو مرنے کے بعد جنگلوں میں ڈلوا دیتا......تا کہ درندے اور چوپائے اسے نوچ نوچ کر کھالیں......یہ تو توہین اور بے حرمتی ہے......

ہاں ہاں! قبر والا بنانا اس میں عزت ہے اکرام ہے......جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم اماته فاقبره (سورہ عبس آیت نمبر ۲۱) پھر اسے موت دی پھر اسے قبر میں رکھا (کنز الایمان) اس کی توضیح بیان کرتے ہوئے صاحب لسان العرب تحریر کرتے ہیں:

اى جعله مقبورا ممن يقبر ولم يجعل ممن
يلقى للطير والسباع ولا ممن يلقى فى
النواويس وكان القبر مما اكرم به
المسلم وفى الصحاح مما اكرم به بنو آدم

(لسان العرب جلد ۳۹ ص ۳۵۱۰)

فاقبره کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے مقبور کیا اور اسے ان لوگوں میں کیا جنہیں قبر میں رکھا جاتا ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں کیا جنہیں چڑیوں اور درندوں کے لیے ڈال دیا جاتا ہے اور نہ ان میں سے کیا جنھیں نصرانیوں کے قبرستان میں ڈال دیا جاتا ہے اور قبر ان میں سے ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں کا اکرام کیا جاتا ہے اور صحاح میں ہے ان میں سے کیا جن بنو آدم کا اکرام کیا جاتا ہے

مرحلہ اولی کی اس تفصیلی گفتگو سے اس بات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ دفن و قبر بھی اپنے اندر جمالیات کا تصور رکھتے ہیں......اور یہ فطرت کا تقاضا بھی ہے کہ ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ اس کا راز راز ہی رہے تو بہتر ہے......جب انسانی فطرت راز کے افشا ہونے کو پسند نہیں کرتی ہے تو پھر اسے اس بات کا بھی حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ کسی کا راز کھولے......اس کے باوجود کوئی کسی کے راز کو کھولنے کی کوشش کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی فطرت سے بغاوت کر رہا ہے صرف یہی نہیں بلکہ وہ انسانی فطرت سے بغاوت کر رہا ہے......کیا سماج و معاشرہ کے افراد اس طرح کی حرکتوں کو انجام دینے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں!

میرے اس مقالہ کا دوسرا مرحلہ ''قبر کھودنے'' سے متعلق ہے......
ایک وہ دور تھا کہ قبر کھودنے والوں کو کوئی معاف نہیں کرتا تھا اور آج کے دور کا بھی یہی تقاضا ہے اس کے باوجود کچھ ایسے بھی افراد ہیں جو راز کا افشا کرتے ہیں اور پھر اس عمل کو ''کرامت'' کی صورت میں پیش کرتے

ہیں...... یہ کرامت کس کی ہے؟؟ کیا اس کی کرامت ہے جس کا راز کھولا گیا ہے یا اس کی کرامت ہے جو راز کھول رہا ہے...... میں سمجھتا ہوں ...... جس کا راز افشا کیا گیا وہ بھی ناراض ہوگا کہ ہائے افسوس! میرے اپنوں نے ہی مجھے کہیں کا نہیں رکھا...... جو اپنے بڑوں کو کہیں کا نہیں رکھتا ہے تو پھر ظاہر ہے جس نے راز کھولا ہے وہ بھی کہیں کا نہیں رہے گا...... اپنے منہ میاں مٹھو بننا تو سب کو آتا ہے...... ہاں قابل قدر وہ ہوا کرتا ہے جس کو سارا زمانہ اچھا کہے...... خود سے اچھا بننا بھی کوئی اچھا بننا ہے؟ یہ بے شرمی ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے...... اس تمہید کے بعد ہم اپنے مدعا پر گفتگو کرتے ہیں۔

قبر کھودنے کو عربی زبان میں "نبش" کہا جاتا ہے اس سے کیا مراد ہے؛ اور اس کی کیا شرعی حیثیت ہے؛ اس بات کو سمجھنے کے لیے درج ذیل عبارت دیکھئے

النبش...في اللغة من نبشت الرض نبشاً : كشفتها ونبشت السر افشيته يقال نبشت الارض والقبر والبئر ونبشت المستور ونبشت عنه ابرزته والنبش هو استخراج المدفون ومنه النباش الذى ينبش القبور عن الموتى ليسرق اكفانهم وحليهم ونباشة حرفة نبش القبور (الموسوعة الفقهية ۳۹/۲۴)

ترجمہ...... عربی ادب کی لغت میں "نبش" کے معانی ہیں

الف...... کھولنا جیسا کہ اہل عرب بولا کرتے ہیں نبشت الارض کشفت الارض یعنی میں نے زمین کھول دی

ب...... افشا کرنا اہل عرب کا مقولہ ہے نبشت السر افشیتہ یعنی میں نے راز کو افشا کر دیا۔

عرب والے اپنے محاوروں میں کہا کرتے ہیں ...... نبشت الارض ،والقبر،والبئر،ونبشت المستور ،ونبشت عنه ای ابرزته یعنی میں نے زمین اور قبر نیز کنواں اور پردہ کو نمایاں کر دیا...... اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "نبش" کا معنی ہے مدفون کو نکال باہر کرنا۔

اسی نبش سے "نباش" بنا ہے اور "نباش" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو قبر کو کھودے اور مردوں کے کفنوں اور زیوروں کو چرائے اور چوری کرنے کے اس فن کو "نباشہ" کہا جاتا ہے......

یہ بات حقیقت ہے کہ جب کوئی لفظ کسی فن کی اصطلاح میں شامل ہو جاتا ہے تو اس فن کی خصوصیت اس میں آ جاتی ہے اس کے باوجود اس لفظ میں لغوی معنی ضرور ملحوظ ہوا کرتا ہے...... جب یہ لفظ فقہ کی اصطلاح میں آیا تو اس کی عمومیت ختم ہوگئی اور اس میں خصوصیت کا معنی آ گیا اسی لیے "نباش" صرف اس انسان کو کہا جاتا ہے جو قبر کو کھود کر کفن وغیرہ چوری کیا کرتا ہے...... اس خصوصیت کے باوجود اس میں لغوی معنی کا پاس ولحاظ رکھا گیا ہے...... اگر ہم اپنے فریق کو "نباش" نہ کہیں تو پھر کیا کہیں؟ کیا فقہ میں ایسی کوئی اصطلاح ہے؟ اگر ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے...... نباش اپنا بھی ہوسکتا ہے اور غیر بھی ہوسکتا ہے...... نباش ہونے کیلیے کسی غیر کا ہونا ضروری نہیں......

نبش کا شرعی حکم...

نبش اپنے اصل کے اعتبار سے حرام ہے...... ناجائز ہے ایسا اس لیے ہے کہ نبش اصول فطرت...... اصول انسانیت اور کرامت بنی آدم کے خلاف ہے...... جب قبر پر بیٹھنا...... اس سے ٹیک لگانا اور قبر پر چلنا منع ہے...... تو ظاہری بات ہے اس پر پھوڑے چلانا اور اسے کھودنا بھی منع ہے کہ اس میں زیادہ اذیت پائی جاتی ہے...... جب نبش ناجائز و حرام ہے تو اس کے "جواز" کے لیے کسی "ضرورت شرعیہ" کا ہونا لازمی ہوگا یا پھر اس کے جائز ہونے کے لیے کسی "غرض صحیح" کا پایا جانا لازم ہوگا...... جہاں نہ "شرعی ضرورت" ہو اور نہ "غرض صحیح" ہو تو پھر اس کے حرام ہونے میں کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے...... اسی ضرورت اور غرض صحیح کا اعتبار کرتے ہوئے فقہائے کرام نے نبش کی تین قسمیں بتائی ہیں...... جیسا کہ حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے

وفى المضمرات النقل بعد الدفن على ثلثة اوجه فى وجه يجوز بالتفاق وفى وجه لا يجوز بالتفاق وفى وجه اختلاف،اما الاول فهو اذا دفن فى ارض مغصوبة او كفن فى ثوب مغصوب ولم يرض صاحبه الا

بنقله عن ملكه اونزع ثوبه جاز ان يخرج منه باتفاق واما الثانى فكا الام اذا ارادت ان تنظر الى وجه ولدها اونقله الى مقبرة اخرى لا يجوز باتفاق واما الثالث اذا غلب الماء على القبر فقيل يجوز تحويله لما روى ان صالح بن عبيد الله رؤى فى المنام وهو يقول حولونى عن قبرى فقد اذانى الماء ثلاثا فنظروا فاذا افاده شقه الذى يلى الماء وافتى ابن عباس رضى الله عنهما بتحويله وقال الفقيه ابوجعفر يجوز ايضا ثم رجع ومنع

(حاشیہ مراقی الفلاح ص ۳۳۷)

ترجمہ...... مضمرات میں ہے، دفن کے بعد نقل کی ۳/ وجوہات ہیں...... ایک وجہ میں اتفاقاً جائز...... دوسری وجہ میں اتفاقاً ناجائز...... تیسری وجہ میں اختلاف ہے...... پہلی وجہ یہ کہ کسی غصب کی ہوئی زمین میں میت کو دفن کیا جائے یا پھر چھنے ہوئے کپڑوں کا کفن دیا گیا ہو اور مالک میت کو اپنی ملک سے منقول کے سوا اور کپڑوں کے سوا پر راضی نہیں اسے لینے کے سوا پر راضی نہیں...... تو اس صورت میں بالاتفاق قبر کھودنا جائز ہے...... دوسری صورت یہ کہ میں اپنے بیٹے کی صورت دیکھنے کا ارادہ کرے یا کسی اور قبرستان میں دفن کرنا چاہے تو ایسی صورت میں قبر کھولنا بالاتفاق جائز نہیں...... تیسری صورت یہ کہ جب قبر پر پانی کا غلبہ ہو جائے بعض کے نزدیک قبر کھود کر میت کو دوسرے مقام پر منتقل کرنے کی اجازت ہے...... جیسا کہ روایت کی گئی...... صالح بن عبید اللہ کو خواب میں دیکھا گیا انہوں نے کہا: مجھے یہاں سے نکالو کہ پانی مجھے اذیت دے رہا ہے اور انہوں نے یہ بات تین مرتبہ کہی} پس لوگوں نے دیکھا کہ ان کا پہلو بھیک چکا ہے...... حضرت ابن عباس نے اس کے منتقل کرنے کا حکم صادر فرمایا دیا۔ فقیہ ابوجعفر نے بھی اسے جائز کہا...... پھر بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا منع کر دیا یعنی اس بنیاد پر قبر سے نعش نہیں نکالی جاسکتی ہے اور نہ دوسرے مقام پر اسے دفن کیا جاسکتا ہے......

جس وجہ میں اختلاف بتایا گیا...... اس اختلاف کے تعلق سے چند باتیں پیش ہیں:

بعض اختلاف وہ ہوا کرتا ہے جو توجہ کے لائق ہوا کرتا ہے اور بعض توجہ کے لائق نہیں ہوا کرتا ہے...... قبر میں پانی آنے کے سبب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اگر چہ جواز کا فتوی دیا ہے...... مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب فقہ مدون نہ تھا...... اور نہ اس کے اصول و ضوابط مرتب تھے...... مگر اب تو اس کے اصول بھی مرتب ہیں اور قواعد و ضوابط بھی...... اس لیے اب فیصلہ کسی روایت کی بنیاد پر نہیں بلکہ فقہ کے اصولوں کی بنیاد لینا چاہیے...... مسئلہ دائرہ میں فقہا کے مابین اگر چہ تھوڑا اختلاف ہے مگر یہ ایسا اختلاف ہے جو توجہ لائق نہیں اسی لیے ہمارے علما کا ماننا ہے کہ اس اختلاف پر توجہ نہ دی جائے...... فقیہ ابوجعفر نے اختلاف کیا اور جواز کے قائل بھی ہوئے مگر انہوں نے بعد میں رجوع کر لیا جیسا کہ حاشیہ مراقی الفلاح میں بیان کیا گیا ہے ''رجع ومنع'' ہے اس اختلاف کے تعلق سے ہمارے فقہائے کرام کی کیا رائے ہے ذیل میں پیش کی جارہی ہے ملاحظہ فرمائیں......

درمختار میں ہے:

(لا يخرج منه) بعد اهالة التراب (الا) لحق آدمى ك(ان تكون مغصوبة او اخذت بشفعة۔ (درمختار ۱/ ۶۰۲)

ترجمہ...... مٹی ڈالنے کے بعد میت کو قبر سے نہ نکالا جائے مگر اس وقت جب کہ اس سے کسی آدمی کا حق متعلق ہو یعنی اس کی قبر کسی غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر بنی ہو یا اس زمین کا شفعہ کے ذریعہ کوئی اور مالک ہو گیا ہو اور وہ مالک میت کے نکلوانے پر مصر ہو

اسی کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے

اما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً قال فى الفتح واتفقت كلمة المشائخ فى امرأة دفن ابنها وهى غائبة فى غير بلدها فلم تصبر وارادت نقله على انه لا يسعها ذالك فتجويز شواذ بعض المتأخرين لا يلتفت اليه واما نقل يعقوب ويوسف عليهما

السلام ليكونا مع آباء كرام فهو شرع من قبلنا ولم يتوفر فيه شروط كونه شرعا لنا اھ ملخصا وتمامه فيه۔ (ردالمحتار ۱/۶۰۲)

ترجمہ......دفن کے بعد میت کو اس کی قبر سے منتقل کرنا مطلقاً ناجائز ہے تمام مشائخ اس عورت کے بابت اتفاق رکھتے ہیں جس کا لڑکا اس کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں دفن کر دیا جائے اور وہ وہاں سے اپنے بیٹے کی نعش کو نکلوانے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے جائز نہیں......ہاں متاخرین میں سے بعض اس کے جواز کا قول کیا ہے......شارح فرماتے ہیں اس کے اس جواز پر دھیان نہ دیا جائے کہ یہ قول جواز شاذ کی منزل میں ہے......اب رہی یہ بات کہ حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام بعد دفن محض اس لیے منتقل کر دیئے گئے کہ انہیں ان کے آبائے کرام کے ساتھ دفن کر دیئے جائیں تو یہ ہم سے پہلے والوں شریعت ہے ہماری شریعت ہونے کی شرطیں اس میں نہیں پائی جاتی ہیں......اس لیے اس کو سند جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اختلاف شاذ کی منزل میں جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

فتح القدیر میں اسی مذکورہ عبارت کے بعد ہے:

ولم يعلم خلاف بين المشائخ في انه لا ينبش۔ (فتح القدیر ۲/۱۴۹)

بعد دفن منتقل نہ کیا جائے اس مسئلہ میں ہمارے مشائخ میں کوئی اختلاف نہیں۔

حاشیہ طحطاوی میں ہے

ولو دفن ولدها في غير بلدها وهي لا تصبر وارادت نبشه ونقله الى بلدها لا يباح لها ذالك فتجويز بعض المتأخرين لا يلتفت اليه ولا يباح نبشه بعد الدفن اصلا كذا في فتح القدير۔

(حاشیہ مراقی الفلاح ص ۳۳۴)

''حاشیہ طحطاوی'' کا بھی وہی ترجمہ ہے جو اوپر مذکور ہوا......اس سے بصراحت ثابت ہوا کہ یہ اختلاف لائق اعتنا نہیں......اب اگر کوئی اس دور میں اسے لائق اعتنا تصور کر کے بعد دفن میت کو منتقل کرنے کی سند جواز پیش کرتا ہے تو میں سمجھتا ہوں وہ نادان ہے اور اس کا درایت سے کوئی واسطہ نہیں......

حضرات گرامی! فقہائے کرام کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ بعد دفن نقل میت کی صرف دو ہی وجوہ ہیں جو معتبر اور مستند ہیں......انہیں دونوں وجوہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور تیسری وجہ لائق التفات نہیں......اسی لیے میں اس وجہ سوم کو نظر انداز کر رہا ہوں......جو اس وجہ کو قابل اعتنا سمجھ رہا ہے وہ اپنی دلیل پیش کرے اور بتائے کہ تدوین فقہ واُصول فقہ کے بعد کوئی ایسا فتوی صادر ہوا ہے؟ جہاں قبر سے نکالنے کا حکم دیا گیا ہو......میری نظر میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے......امام احمد رضا فاضل بریلوی یا ہمارے علمائے کرام کی اس بارے میں کوئی علمی اور فنی تحقیق ہو تو اسے پیش کیا جائے......

موجودہ حادثات کا تجزیہ

دفن کرنے کے برسوں بعد ایک قبر کھودی گئی......اس میں کیا ملا؟ اس بارے میں ابتک کسی کو جانکاری نہیں دی گئی......دوسرا واقعہ ایک ایسی قبر سے متعلق ہے جو زیادہ پرانی قبر نہیں تھی......بلکہ ایک سال پہلے کی قبر تھی......یہاں کیا ملا؟ اب تک کسی کو نہیں بتایا گیا ہے......پتہ نہیں اس کے چھپانے میں کی مصلحت رہی ہوگی؟ واٹ شاپ پر فوٹو شائع کرنا کوئی شرعی ثبوت نہیں......بات تو جب تھی کہ اصل چیز دکھائی جاتی اور پورے شہر کو دکھائی جاتی اس میں زیادہ فائدہ تھا اور اس طرح کا فوٹو تو کوئی بھی ڈال سکتا ہے......جن لوگوں نے اس واقعہ کو انجام دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ''مجھے خواب'' میں بشارت دی گئی......کہ مجھے یہاں سے نکالو اور پھر جہاں چاہو دفن کرو......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے......کیا یہ خواب صرف خواب ہی ہے یا اس کا بھی حقیقت سے کوئی تعلق ہے......نفسیاتی طور پر اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اس کے اسباب درج ذیل ہیں۔

الف......بہتر یہ ہے کہ میت کو وہاں دفن کیا جائے جہاں اپنے لوگوں کی قبریں ہوں......حدیث پاک میں ہے......

وعن كثير بن زيد المدني عن المطلب قال لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازته

فدفن فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً ان یاتیہ بحجر فلم یستطع حملہ فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحسر عن ذراعیہ قال کثیر قال المطلب قال الذی یخبرنی ذالك عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال كانی انظر الی بیاض ذراعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین حسر عنہ ثم حملھا فوضعھا عند راسہ وقال اتعلم بھا قبر اخی وادفن الیہ من مات من اھلی۔

(ابوداؤد شریف کتاب الجنائز ص ۴۵۷)

ترجمہ...... کثیر بن زید مدنی سے روایت ہے وہ مطلب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب عثمان بن مظعون کا وصال ہوا تو ان کے جنازہ کو لے نکلے اور انہیں دفن کر دیا گیا...... نبی ﷺ نے کسی شخص کو پتھر اُٹھا کر لانے کا حکم دیا...... وہ پتھر اُٹھا کر نہ لا سکے...... پس رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس اسے لانے کا ارادہ فرمایا اسی دوران آپ کے مبارک بازؤوں سے نوری لباس سرک گیا ...... کثیر کہتے ہیں...... مطلب نے کہا: مجھ سے انہوں نے بتایا جنہوں نے سرکار کے بارے یہ خبر دی کہ میں دیکھ رہا تھا ''سرکار کے بازؤوں کی نورنیت کو'' جب آپ کے بازو مبارک کھل گئے تھے...... پھر آپ نے وہ پتھر اُٹھالیا اور حضرت عثمان بن مظعون کے سرہانے رکھ دیا...... پھر فرمایا میں اپنے بھائی مظعون کی قبر کے پاس علامت چھوڑ رہا ہوں کہ انہیں کی قبر کے پاس دفن کروں گا میری آل میں سے جس کا بھی انتقال ہوگا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنوں کو اپنوں ہی کے پاس دفن کرنا چاہیے کہ اس سے میت کو انسیت ہوتی ہے...... اپنوں میں سب سے زیادہ اپنا والد، بھائی اور والدہ اور بہنیں ہوا کرتی ہیں...... جب کوئی اپنوں کے پاس دفن ہوا کرتا ہے تو نفسیاتی طور پر وہ خوش ہوا کرتا ہے کبھی وہ خواب میں آ کر یہ نہیں بتائے گا کہ مجھے یہاں سے نکالو ...... اس بنا پر کہا جا سکتا ہے یہ خواب نہیں بلکہ ذہن کی اختراع ہے۔ اسی طرح جو انسان اپنی زندگی میں کسی سے مانوس ہوتا ہے تو بعد وصال بھی اس کی انسیت باقی رہتی ہے اور جب دونوں کی قبریں ایک ساتھ ہوں تو یہ انسیت اور بھی بڑھ جاتی ہے تو پھر یہ کیسے کہا جائے کہ انہوں مجھ سے خواب میں کہا: کہ مجھے یہاں سے نکالو، یہ خواب خواب نہیں بلکہ وہ ناکام تمنائیں ہیں جو پوری ہونے سے رہ گئیں ہیں...... وہ ناکام تمنائیں کیا ہیں انہیں بتانے کی ضرورت نہیں دانشوروں کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ موت کے سبب سارے حقوق ختم ہو جاتے ہیں...... حقوق اللہ بھی اور حقوق العباد بھی...... اسی لیے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں...... صرف تبرع و احسان باقی رہ جاتے ہیں یہی وجہ ہے...... اگر کسی نے خواب میں آ کر بتایا کہ مجھے یہاں سے نکالو اور کہیں دوسری جگہ منتقل کر دو...... تو اس بات کو کسی بھی میت نے کسی غیر سے کہا ہے یا پھر ان سے کہا ہے جو ایسا کر سکتا ہے اگر خود نہیں کر سکتا ہے تو کسی دوسرے سے کروا سکتا ہے...... حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے واقعہ ہی کو لے لیجئے...... تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ میں ہے

وری حماد بن سلمہ عن علی بن زید بن جدعان عن ابیہ ان رجلاً رأی طلحۃ فی منامہ وھو یقول حولونی عن قبری،فقد اذانی الماء ثلاث لیال،فاتی ابن عباس فاخبرہ وکان نائباً علی البصرۃ فاشتروالہ داراً بالبصرۃ بعشرۃ آلاف فحولوہ عن قبرہ الیھا فاذا اخضر من جسدہ مایلی الماء واذا کھیئۃ یوم اصیب۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۲۴۹)

ترجمہ...... حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جدعان سے روایت کی اور انہوں نے اپنے والد جدعان سے۔ کسی نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو خواب میں دیکھا اور اس نے کہا مجھے میری قبر سے نکالو کہ پانی مجھے اذیت دے رہا ہے اس شخص نے لگاتار یہ خواب تین راتوں تک دیکھا...... وہ شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور انہیں اس خواب کے بارے میں بتایا ابن عباس اس

وقت بصرہ کے نائب حاکم تھے......انہوں نے اس کام کے لیے بصرہ میں ایک گھر دس ہزار روپے میں خرید......اور انہیں ان کی سے منتقل کیا......تو ان کے جسم کا وہ حصہ جو پانی سے ملا ہوا تھا سیمک چکا تھا...... ان کی نعش اسی دن کے مانند تھی جس دن آپ شہید ہوئے تھے۔

اس واقعہ کو پڑھیے اور غور سے پڑھیے......انہوں نے خواب میں اپنی اذیت کے بارے میں کسے بتایا؟ اپنے کسی لڑکے کو؟ نہیں...... اپنے کسی رشتہ دار کو؟ نہیں! بلکہ اسے بتایا جو یہ کام کرسکتا تھا......اس مقام پر کام کرنے سے مراد اس کام سے ہے جو ملکی اور شرعی قانون کے دائرے میں رہ کر کرے......اس سے وہ کام مراد نہیں جو سماج و معاشرہ میں ذلت و رسوائی کا باعث بنے اور اس پر لوگوں کی تنقیدیں ہوتی رہیں ......اگر انہیں خواب دکھانا ہی تھا تو کسی بڑے عالم......کسی بڑے مفتی ......کسی بڑے قاضی کو دکھایا جاتا......یا پھر اسے دکھایا جاتا جو شہر کا منتظم تھا یا پھر اسے دکھایا جاتا جو خانقاہ کا منتظم تھا......

اس واقعہ میں یہ بات بھی واضح ہے میت کو پانی سے اذیت ہو رہی تھی اسی لیے خواب میں منتقل کرنے کے بابت کہا گیا......اور یہاں جو نعش منتقل کی گئی اس کا سبب کیا ہے......ان کی قبر میں پانی کہاں سے آرہا تھا؟ اور پھر یہ کہ ان کی قبر کے پاس جن کی قبر ہے اس میں پانی کیوں نہیں آرہا تھا؟......

اگر سبھی قبروں میں پانی آرہا تھا تو سب کو منتقل کرنا چاہیے تھا...... کہ اصل سبب قبر میں پانی کا آنا ہے خواب میں بتانا نہیں......اور کسی میں پانی نہیں آرہا تھا......تو قبر کھودنے کا جواز اس واقعہ سے بھی ثابت نہیں

پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے اذیت اگر پہنچ رہی تھی تو قبر سے میت کو نکالنے کی یہ چیز وجہ نہیں بن سکتی......کیونکہ واقعہ کا مورد خاص ہوا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے جس قدر بھی واقعات ہیں سب میں پانی کو ہی اذیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے......اور اگر یہ نہیں تو واقعہ کو "سند جواز" بھی نہیں بنایا جاسکتا ہے......مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اپنے من کی بات پوری کرنے کیلیے اسلامی شریعت کو غلط رنگ دے کر پیش کیا گیا......دنیا حاصل کرنے کے اور بھی راستے ہیں انہیں اپنایئے......

مضر اثرات...

دفن کرنے کے بعد میت کو قبر سے نکالنے کا مسئلہ بڑا ہی دردناک اور دل کو ہلا دینے والا مسئلہ ہے یہی سبب ہے کہ سماج کا کوئی بھی فرد اس مسئلہ کو پسند نہیں کرتا ہے......جو اس طرح کے کام کو انجام دیتا ہے اسے سماج برا تصور کرتا ہے اور اسے بری نظر سے دیکھتا ہے......اسلامی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی ہے کہ آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے سماج میں بدنامی ہو......رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **اتقوا مواقع التھم** کہ تہمت کی جگہوں سے بچو! اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو!

اسے صرف مسلم سماج ہی برا تصور نہیں کرتا ہے بلکہ وہ بھی برا سمجھتا ہے جس کا مسلم سماج سے تعلق نہیں ہے یعنی غیر مسلم بھی اسے دل سے برا کہتا ہے اور برا سمجھتا ہے......میت کے ساتھ اس قسم کے رویہ کو نہ صرف سماج ہی برا تصور کرتا ہے بلکہ اس میت کو بھی اذیت ہوتی ہے جس کے ساتھ یہ رویہ اپنایا جاتا ہے......وہ خاندان بھی تنقید کا نشانہ بنتا ہے جس خاندان کا یہ فرد ہوتا ہے جو قبر کھود کر میت کو نکالتا ہے......بہر حال اس سے جو مضر اثرات سماج پر پڑتے ہیں ان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ اس سے ہر دل متاثر ہوا کرتا ہے......

اب جماعتی نظام اس بات پر کمر کس لے کہ آئندہ اس طرح کا واقعہ کوئی انجام نہ دے......اس کے لیے اگر تحریک کی ضرورت ہو تو تحریک چلائی جائے ایسی تنظیم قائم کی جائے جو اس طرح کے غیر شرعی امور کے انجام دہی سے روکے اور قانونی چارہ جوئی کرے

دعا ہے مولا تعالیٰ اس بری بلا سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔

نوٹ......اصل قبر وہی ہے جسے نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شرعاً مقبور وہ میت کہلائیگا جس پر نماز پڑھی گئی اور تدفین کے وقت جسے قبر میں لٹایا گیا......جسم کے بقیہ جات کو مقبور ہونے کا شرف حاصل نہیں......جہاں شرعی طور پر قبر کھودنے کی اجازت ہے وہاں قبر سے جو کچھ بھی نکلے اس پر شرعاً مقبور کا اطلاق ہوسکتا ہے اور جہاں اسے دفن کیا جائے گا اسی کو اصل قبر قرار دیا جائے گا۔

aaaa

تدبرِ قرآن

قرآن کریم اور گلہ بانی

(معاشی نقطۂ نظر سے)

توحید احمد نظامی علیمی ''کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ'' طرابلس، لیبیا

گلہ بانی کا پیشہ دنیا کے قدیم ترین پیشوں میں سے ایک ہے، اسے انبیائے کرام علیہم السلام کا پیشۂ خاص کی اہمیت حاصل رہی ہے، اس ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ مشہور ومعروف ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دس برس تک گلہ بانی کی، قرآن مجید فرمایا گیا ہے:

"قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھتین علی ان تأجرنی ثمنی حجج فان اتممت عشرا فمن عندك وما ارید ان اشق علیك" (قصص: ۲۷)

''کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمھیں بیاہ دوں، اس پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو، پھر اگر پورے دس برس کرلو، تو تمھاری طرف سے ہے اور میں تمھیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا''۔ (کنزالایمان)

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بظاہر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے بکری چروانا تھا، مگر درحقیقت ان کو اپنی صحبت پاک میں رکھ کر ''کلیم اللہ'' بننے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(نورالعرفان ص ۶۲۰)

مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب اس بابت استفسار کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے اثبات میں جواب مرحمت فرمایا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک میں ہے:

"عن ابی سلمة بن عبدالرحمن ان جابر بن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنهما قال کنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم نجنی الکباث وان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال علیکم بالأسود منه فانه اطیبه۔ قالوا: أکنت ترعی الغنم؟ قال: وهل من نبی الا وقد رعاها؟"

[بخاری، کتاب الانبیاء، باب یعکفون علی اصنام لھم]

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پیلو توڑ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کالے پیلو چنو، کیوں کہ وہ زیادہ عمدہ ہوتے ہیں، لوگوں نے پوچھا کیا آپ نے بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا: کیا ایسا بھی کوئی نبی ہے، جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں؟''

اللہ رب العزت نے دور دراز کی مسافت طے کرنے، میدانی، صحرائی اور پہاڑی راستوں کے پیچ وخم سے نبرد آزما ہونے اور وادیوں کے نشیب وفراز کو سر کرنے میں جانوروں کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے، وہ دشوار گزار مرحلوں کو عبور کرکے لوگوں اور ان کے بھاری بھرکم ساز وسامان کو ان کی منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، ایسے جانوروں کا بہم پہنچانا پروردگار عالم کی از حد شفقت اور بے پایاں رحمت کا مظہر ہے، دوسری طرف انسان ان مویشیوں کے دودھ سے کوفت اور تھکن دور کرکے فرحت وانبساط اور توانائی حاصل کرتا ہے، ذبح کرکے گوشت سے فائدہ اٹھاتا ہے، چمڑے، اون اور ہڈی کو مصنوعات میں استعمال کرتا ہے اور معاشی استحکام کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے حکیمانہ انداز بیان سے ان کے ہر جزو کے فائدے کو بیان فرمایا ہے اور انھیں انسانی برادری کے لیے نفع بخش قرار دیا ہے:

"لکم فیها منافع الی اجل مسمّٰی" (الحج: ۳۳)

''تمھارے لیے چوپایوں میں فائدے ہیں، ایک مقررہ میعاد تک''۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے ''لکم فیها منافع'' کے ذریعہ جن فوائد کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، اس کی قدرے تفصیل حسب

ذیل ہے:

حمل ونقل: اللہ تعالیٰ نے ہر مویشی کی نسل کو شکل وصورت، قدوقامت اور عادات کے اعتبار سے جداگانہ پیدا فرمایا ہے اور ان کی تخلیق میں تفکیر کی دعوت بھی دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت" (الغاشیۃ)

''تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا''۔ (کنزالایمان)

اللہ جل مجدہ نے ان میں بے پناہ قوت بھی ودیعت فرمائی ہے۔ طاقت وتوانائی، اکھڑپن کے باوجود انھیں انسان کا مطیع وفرمانبردار بنادیا، تاکہ وہ خود اور اپنا سازوسامان ان کی مدد سے دوردراز کی مسافتوں تک پہنچا سکیں:

"اللہ الذی جعل لکم الانعام لترکبوا منہا ومنہا تاکلون ولکم فیہا منافع لتبلغوا علیہا حاجۃ فی صدورکم وعلیہا وعلی الفلک تحملون" (مومن: ۷۹، ۸۰)

''اللہ ہے جس نے تمھارے لیے چوپایے بنائے کہ کسی پر سوار ہو، اور کسی کا گوشت کھاؤ، اور تمھارے لیے اس میں کتنے ہی فائدے ہیں، اور اس لیے کہ تم ان کی پیٹھ پر اپنے دل کی مرادوں کو پہنچو، اور ان پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو''۔ (کنزالایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"ومن الانعام حمولۃ وفرشاً" (الانعام/ ۴۳)

''اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے''۔ (کنزالایمان)

علامہ پیر کرم شاہ ازہری اپنی تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں رقم طراز ہیں:

''حمولۃ'' سے مراد وہ بڑے بڑے جانور ہیں، جو سواری اور بوجھ لادنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ وغیرہ اور ''فرش'' سے مراد وہ جانور ہیں، جنھیں فرش پر لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے یا دودھ دوہا جاتا ہے''۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۶۰۷ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی)

سورہ نحل میں ارشاد ہے:

"وتحملوا اثقالکم الی بلدلم تکونوا بلغیہ الا بشق الانفس" (نحل: ۷)

''اور وہ تمھارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں، ایسے شہر کی طرف کہ جس تک نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر''۔ (کنزالایمان)

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی اپنی معرکۃ الآرا تفسیر ''مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' میں فرماتے ہیں:

"والمعنی وتحمل اثقالکم الی بلدلم تکونوا بلغیہ لولم تخلقوا الابل الابجھد ومشقۃ فضلاان تحملوا اثقالکم علیٰ ظھورکم اومعناہ لم تکونوا بالغیہ بھا الابشق الانفس، وقیل: اثقالکم ابدانکم ومنہ الثقلان للجن والانس ومنہ اخرجت الارض اثقالھا ۔ای: بنی آدم، "ان ربکم لرؤوف رّحیم" حیث رحمکم بخلق ھذہ الحوامل وتیسیرھذہ المصالح. (مدارک التنزیل)

ترجمہ: اور آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ تمھارے بوجھ اس شہر تک پہنچا دیتے ہیں جس تک تمھاری رسائی انتہائی محنت ومشقت کے ذریعہ ہوتی، اس طرح اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر ڈھونے سے نجات پا گئے، یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم منزل مقصود تک نہیں پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اثقالکم" "ابدانکم" (تمھارے بدن) کے معنی میں ہے اور اسی بنیاد پر جن وانس کو ''ثقلان'' کہا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے: "واخرجت الارض اثقالھا" اور زمین نے نکالا اپنے بوجھ، یعنی بنی آدم کو۔

''ان ربکم لرؤوف رّحیم'' بے شک تمھارا رب مہربان، رحمت والا ہے، کیوں کہ رب قدیر جل شانہ نے تم پر ان باربردار جانوروں کی تخلیق فرما کر رحم وکرم فرمایا اور تمھارے مصالح کے حصول کے لیے راہ آسان فرمادی۔

دودھ: جہاں اس سے گھی، مٹھائی اور دہی وغیرہ دوسری چیزیں بنائی جاتی ہیں، وہیں نگاہ عبرت رکھنے والوں کے لیے دودھ ایک عظیم عجوبہ بھی ہے، جسم حیوانی میں دانہ پانی اور چارہ ایک ہی جگہ پہنچتا ہے، پھر دودھ خون اور گوبر ہر ایک اسی غذا سے وجود پاتے ہیں، مگر کرشمۂ قدرت کہ دودھ میں نہ خون کی رنگت کا شائبہ، نہ اس کے فضلے کی بو، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصاً سائغا للشٰربین"۔ (نحل/ ٦٦)

"اور بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے، ہم تمھیں پلاتے ہیں، اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے، گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ، گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لیے"۔ (کنزالایمان)

حضرت شقیق بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نعمت کا اتمام یہی ہے کہ دودھ صاف خالص آئے اور اس میں خون اور گوبر کے رنگ اور بو کا نام ونشان نہ ہو، ورنہ نعمت تام نہ ہوگی، اور طبع سلیم اس کو قبول نہ کرسکے گی جیسی صاف نعمت پروردگار کی طرف سے پہنچتی ہے بندے کو لازم ہے کہ وہ بھی پروردگار کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کرے، اور اس کے عمل ریا اور ہوائے نفس کی آمیزشوں سے پاک وصاف ہوں، تاکہ شرف قبول سے مشرف ہوں۔ (خزائن العرفان: ص ۳۹۷)

گوشت: اونٹ، بکری، گائے اور بھیڑ کے گوشت سے انسان کثیر فوائد حاصل کرتا ہے، طعام کے علاوہ دیگر خوردنی اشیا میں اس کی آمیزش کی جاتی ہے، جس سے وہ لذیذ اور خوش ذائقہ ہوجاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومٰت علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر"۔ (حج:۲۸)

"تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور اللہ کا نام لیں، جانے ہوئے دنوں میں، اس پر کہ انھیں روزی دی بے زبان چوپائے، تو ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ"۔ (کنزالایمان)

دوسری جگہ قرآن کریم گوشت کے متعلق اپنے حکیمانہ قول کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع المعتر"۔ (حج/ ٣٦)

"پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ"۔ (کنزالایمان)

جلد: یہ کئی مصرف میں لائی جاتی ہے، چنانچہ خیمہ نما گھر، بچھانے کے لیے فرش، عبادت کے لیے مصلی، ٹھنڈک سے محفوظ رہنے کے لیے گرم لباس، جوتا اور دیگر ضروریات کی مصنوعات میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

"وجعل لکم من جلود الانعام بیوتاً تستخفونھا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم"۔ (النحل/ ۸۰)

"اور تمھارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے جو تمھیں ہلکے پڑتے ہیں، تمھارے سفر کے دن اور منزلوں پر ٹھہرنے کے دن"۔ (کنزالایمان)

دوسری جگہ خالق کائنات یوں ارشاد فرماتا ہے: "والانعام خلقھا فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون"۔ (النحل/ ۵)

"اور چوپائے پیدا کیے، ان میں تمھارے لیے گرم لباس اور منفعتیں ہیں"۔ (کنزالایمان)

اون: معاشی خوش حالی کے لیے جانوروں کے بال بھی کئی مصنوعات میں استعمال کیے جاتے ہیں، گرم کپڑوں کے لیے اون، گھریلو اثاثے اور رسی اس کے خاص مصارف ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"ومن اصوافھا واوبارھا واشعارھا اثاثا ومتاعاً الی حین"۔ (النحل/ ۸۰)

"اور ان کی اون اور ببری اور بالوں سے کچھ گھرستی کا سامان اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک"۔ (کنزالایمان)

چراگاہ: گلہ بانی کے لیے چشموں اور چراگاہوں کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے، عرب کے بادیہ نشین قبائل اس کی جستجو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی خاک چھانتے پھرتے تھے، اور اسی پر ان کی معاشی خوش حالی کا انحصار بھی تھا، دور جدید میں بھی اس کی اہمیت سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہے، آج بھی حکومتیں چراگاہوں کے لیے زمین وقف کرتی ہیں، اور اس کی شادابی پر کثیر سرمایہ بھی صرف کرتی ہیں، فصل بہار میں ان چراگاہوں کی ہریالی مزید قابل دید ہوجاتی ہے، سبزہ زار آسمانی پانی سے کھل اٹھتے ہیں، مردہ زمین جی اٹھتی ہے۔ قدرتی گھاس، خودرَو بیل بوٹوں کی دلکشی دیدنی ہوتی ہے۔

"وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربّت وانبتت من کل زوج بھیج" (الحج/۵)

''اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی، پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا، تروتازہ ہوئی، اور ابھر آئی، اور رونق دار جوڑا اگالائی''۔ (کنزالایمان)

جانوروں کی غذا کے طور پر صرف ہرے بھرے سبزے ہی کافی نہیں ہوتے ہیں، بسا اوقات انھیں خشک چارے کی ضرورت بھی لاحق ہوتی ہے، جنھیں شاداب گھاس خشک کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور کبھی بھس کی صورت میں ہوتا ہے:

"والذی اخرج المرعیٰ فجعله غثاء احوی" (اعلیٰ/۴۔۵)

'اور جس نے چارہ نکالا پھر اسے خشک سیاہ کر دیا۔ (کنزالایمان)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والحب ذوالعصف والریحان" (رحمن/۱۲)

''اور بھس کے ساتھ اناج اور خوشبو کے پھول۔ (کنزالایمان)

کالی گھٹائیں:

کالی گھٹاؤں کے رواں ہونے اور بادلوں کو ابھارنے پھر مردہ زمین کو حیات بخشنے کو بھی قرآن کریم نے نہایت بلیغ اسلوب میں یوں بیان فرمایا ہے:

"واللہ انزل من السماء ماء فاحیا به الارض بعد موتھا ان فی ذالك لاٰیة لقوم یسمعون" (نحل/۶۵)

''اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس سے زمین کو زندہ کر دیا، اس کے مرے پیچھے، بے شک اس میں نشانی ہے، ان کو جو کان رکھتے ہیں''۔ (کنزالایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اللہ الذی ارسل الریح فتثیر سحابا فسقنه الی بلد میت فاحیینا به الارض بعد موتھا" (الفاطر/۹)

''اور اللہ تعالیٰ ہے جس نے بھیجی ہوائیں کہ بادل ابھارتی ہیں، پھر ہم اس کو کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں، تو اس کے سبب ہم زمین کو زندہ فرماتے ہیں، اس کے مرے پیچھے''۔ (کنزالایمان)

ایک دوسرے مقام پر بدلیوں سے پانی کے نزول کا ذکر سحر انگیز انداز میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"وانزل من المعصرات ماء ثجاجا لنخرج به حبا ونباتا وجنٰت الفافا" (النبأ/۱۴،۱۵،۱۶)

''اور پھر بدلیوں سے زور کا پانی اتارا، کہ اس سے پیدا فرمایا اناج اور سبزہ اور گھنے باغ''۔ (کنزالایمان)

مزید ارشاد ہے:

"الذی جعل لکم الارض مھدا وسلك لکم فیھا سبلا وانزل من السماء ماء اخرجنا به ازواجا من نبات شتیٰ کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذالك لاٰیٰت لاولی النھیٰ" (طہٰ/۵۳،۵۴)

گھاس پھوس کی منفعتیں:

اللہ عزوجل نے گھاس میں انسان اور جانور دونوں کے لیے مشترکہ طور سے منفعتیں رکھی ہیں:

"فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبا وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاکھة وابا متاعا لکم ولانعامکم" (عبس/۲۴ تا ۳۲)

''تو آدمی کو چاہیے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا، پھر زمین کو خوب چیرا، تو اس میں اُگایا اناج اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمھارے فائدے کو اور تمھارے چوپاؤں کے''۔ (کنزالایمان)

دوسری جگہ اپنے معجزانہ انداز بیان میں فرماتا ہے:

"ھو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب ومنه شجر فیه تسیمون" (نحل/۱۰)

''وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، اس سے تمھارا پینا ہے، اور اس سے درخت ہیں، جن سے چراتے ہو''۔ (کنزالایمان)

علامہ پیر کرم شاہ ازہری تحریر فرماتے ہیں:

''جس قادر مطلق نے ایک قطرۂ آب سے انسان جیسی دل کش اور دل چسپ مخلوق پیدا فرمائی، اس نے پیدا کرنے کے بعد اسے

فراموش نہیں کر دیا، بلکہ اس کی نشوونما کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا فرمایا، سب سے پہلے پانی کا ذکر کیا، کیوں کہ انسانی، حیوانی اور نباتی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے، انسان اسے پیتا ہے اور اپنی چراگاہوں، کھیتوں اور باغات کو سیراب بھی کرتا ہے، اسی سے چراگاہوں میں سرسبز گھاس اور کھیتوں میں شاداب چارہ لہلہانے لگتا ہے، جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے، اگر پانی ہی نایاب ہوجائے تو زندگی کی ساری رنگینیاں خاک میں مل جائیں"۔ (ضیاء القرآن)

قرآن کریم نے جہاں مویشیوں کے چارہ، دانہ، پانی اور چراگاہ کا تذکرہ کیا ہے، وہیں ریوڑوں کے صبح کو چراگاہ کی طرف ہکائے جانے اور بوقت شام انھیں لائے جانے کو بھی مفصل انداز میں بیان کیا ہے:

"ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون"۔ (نحل/۶)

"اور تمھارا ان میں تجمل ہے، جب انھیں شام کو واپس لاتے ہو، اور جب چرنے کو چھوڑتے ہو"۔ (کنز الایمان)

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ولکم فیہا جمال حین تریحون" تردونہا من مراعیہا الی مراحہا بالعشی " وحین تسرحون" ترسلون بالغداۃ الی مسارحہا من اللہ تعالیٰ بالتجمل بہا کما من الانتفاع بہا لانہ من اغراض اصحاب المواشی، لان الرعیان اذا روحوہا بالعشی وسرحوہا بالغداۃ تزینت باراحتہا وتسریحہا الافنیۃ وفرحت اربابہا واکسبتہم الجاہ والحرمۃ عند الناس، وانما قدمت الاراحۃ علی التسریح لان الاجمال فی الاراحۃ اظہر اذا قبلت ملأی البطون حافلۃ الضروع"۔ (مدارک التنزیل سورۃ النحل/۷)

"اور تمھارا لیے ان میں جمال ہے، جب انھیں شام کو واپس لاتے ہو، یعنی جب انھیں چراگاہوں سے ان کے باڑوں کی طرف شام کے وقت لوٹاتے ہو، اور جب چرنے کو چھوڑتے ہو، یعنی جب صبح کے وقت چراگاہوں کی طرف ہانکتے ہو، اللہ کے فضل سے جمال حاصل کرتے ہو، جیسا کہ ان سے منفعت کا حصول ہوتا ہے، یہ جمال اصحاب مویشی کے اغراض میں شامل ہوتا ہے، کیوں کہ چرواہے جب مویشیوں کو شام کو رہائش گاہوں میں واپس لاتے اور صبح کو چراگاہ کی جانب لے جاتے ہیں تو مویشیوں کے لانے اور لے جانے سے برآمدوں کو زینت اور پرورش کنندگان کو فرحت وانبساط اور عوام کے درمیان قدرومنزلت حاصل ہوتی ہے اور "تریحون" کو "تسرحون" پر اس لیے مقدم کیا کہ زیب وزینت اراحت (چراگاہ سے واپس لانے) میں غالب ہوتی ہے جب مویشی چراگاہ سے شکم سیر اور تھن لبریز واپس ہوتے ہیں"۔

آئینۂ عبرت: سبزہ زاروں کی شادابی صرف جانوروں کے لیے چارہ ہی نہیں ہے، اس میں بندوں کے لیے نصیحت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے ہر چیز میں حکمت وموعظت کے دریا سمور رکھے ہیں، اور ان میں تفکیر وتفہیم کی دعوت دی ہے، چنانچہ حیات فانی میں کھیل کود، آرائش وزیبائش اور بڑائی میں غرق لوگوں کی مثال اس سبزے سے دی ہے، جس نے وقتی طور پر لوگوں کو فرحت بخشی، پھر روندے جانے کے قابل ہوگئے۔

"اعلموا انما الحیاۃ الدنیا لعب ولہو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یہیج فترٰہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الآخرۃ عذاب شدید"۔ (حدید/۲۰)

"جان لو دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش، اور تمھارا آپس میں بڑائی مارنا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اس مینہ کی طرح، جس کا اُگایا سبزہ کسانوں کو بھایا، پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے، پھر روندن ہوگیا، اور آخرت میں سخت عذاب ہے"۔ (کنز الایمان)

حرف آخر: قرآن مجید انسانی برادری کے لیے دستور حیات ہے، قصص وحکایات اور امثال کے ذریعہ جہاں عبرت خیزی کے مناظر بیان ہوئے ہیں تو دوسری طرف علوم وفنون کے سرچشمے سمیت صنعت و حرفت کی تدریب پر بھی زور دیا گیا ہے، اور مختلف پیشوں کے افادی گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور تاجر، کسان، مالی اور راعی کے مساعی کو بنظر استحسان دیکھا گیا ہے، موجودہ کساد بازاری میں قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہوکر زندگی کے مختلف میدانوں میں پیش رفت کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

فہم حدیث

احادیث اربعین اور ان کی فضیلت

مفتی محمد منظم نعیمی ازہری
(معاون مدیر سوادِ اعظم دہلی)

علامہ متقی الہندی اپنی مشہور زمانہ تصنیف کنز العمال میں احادیث اربعین کے تعلق سے ایک روایت جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نقل فرماتے ہیں:

حدیث نمبر ۵۵۳: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آقائے کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ چالیس احادیث کیا ہیں جن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو ان کو یاد کرے جنت میں داخل ہوگا، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ یعنی اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا، واجب الوجود سمجھنا، ہر قسم کے عیوب ونقائص سے منزہ ومبرا جاننا اور تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع تصور کرنا۔

(۲) آخرت کے دن پر ایمان لانا۔ یعنی قیامت پر اعتقاد ویقین رکھنا نیز حساب وکتاب کے ہونے پر یقین رکھنا۔

(۳) فرشتوں کے وجود پر یقین رکھنا۔ یعنی فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں نہ مرد ہیں نہ عورت، اللہ کے حکم سے اپنے کاموں پر متعین ہیں اس کے خلاف ہرگز نہیں کرتے۔

(۴) آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ یعنی ان تمام کتب وصحائف پر ایمان رکھنا جو اللہ نے اپنے رسولوں کو امت کی اصلاح کے لیے عطا فرمائیں مثلاً توریت، زبور، انجیل اور قرآن پاک۔

(۵) تمام انبیاے کرام پر ایمان لانا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص بندوں کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر دعوت وتبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا۔ ان کی صحیح تعداد کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے البتہ کتب میں لکھا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش انبیاے کرام، حضرت آدم علیہ السلام سے آقائے کریم ﷺ تک تمام انبیاے کرام پر یقین رکھنا۔

(۶) مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان لانا۔ یعنی برزخ کی زندگی، قیامت اور موت کے درمیان کی زندگی جو ہے وہ برزخ یعنی قبر کی زندگی ہے۔

(۷) اچھی بری تقدیر پر یقین رکھنا۔ یعنی سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر اچھی چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب اور بری چیز کی نسبت شیطان کی جانب کرنا چاہیے۔

(۸) اور اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو شرک سے پاک جاننا اور اس کے نبی کو سب سے افضل واعلیٰ ماننا بالفاظ دیگر کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا۔

(۹) ہر نماز کے وقت کامل وضو کر کے نماز قائم کرنا۔ یعنی جیسا وضو ہمارے آقائے کریم ﷺ نے فرمایا تمام سنن ومستحبات وفرائض کا التزام کرنا۔

(۱۰) زکوٰۃ ادا کرنا۔ یعنی اپنے مال کا چالیسواں حصہ راہِ خدا میں صرف کرنا یا کسی غریب مسکین کو اس مال کا مالک بنا دینا۔

(۱۱) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ یعنی صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے جماع کرنے اور دیگر کبائر گناہوں سے اللہ کی رضا وخوش نودی کے لیے خود کو روکے رکھنا۔

(۱۲) صاحب استطاعت ہو تو حج کرنا۔ یعنی دَین وقرض سے فراغت کے بعد اتنا مال بچ جانا جو سفر حج کے اخراجات کو بآسانی پورا کر سکے۔

(۱۳) بارہ رکعات سنن مؤکدہ روزانہ ادا کرنا۔ یعنی دو رکعت سنت فرائض فجر سے پہلے، چار رکعت قبل فرائض ظہر، دو رکعت بعد فرائض ظہر، دو رکعت بعد فرائض مغرب اور دو رکعت بعد فرائض عشا۔ چونکہ یہ سنتیں مؤکدہ ہیں اس لیے بالقصد ان کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا۔

(۱۴) وتر پر ہمیشہ مداومت کرنا۔ یعنی وتر واجب ہیں ہمیشہ پابندی سے عشا کی نماز میں پڑھنا۔ وتر دراصل تہجد کی نماز میں تھے آقا ﷺ

نے امت کی آسانی کے لیے نماز عشا میں واجب فرما دیے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر گناہ بخش سکتا ہے سوائے شرک کے، شرک اللہ کے ساتھ کسی دوسری ذات کو بطور تعبد [عبادت] شریک کرنا جو اللہ کو پسند نہیں۔

(۱۶) والدین کی نافرمانی نہ کرنا۔ یعنی سوائے گناہ کے ہر چیز میں اطاعت وفرماں برداری کا مظاہرہ کرنا۔

(۱۷) ناحق یتیم کا مال نہ کھانا۔ یتیم یعنی وہ بچہ جس کے والدین قبل بلوغ اس دار فانی سے رحلت کر چکے ہوں اس کے مال کو ناحق کھانا۔

(۱۸) شراب نہ پینا۔ یعنی جس کے اندر اتنا نشہ آ جائے جس کو پینے کے بعد آدمی اپنے ہوش وحواس گنوا بیٹھے۔ چونکہ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت ہے جس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مستحق ہوگا۔

(۱۹) بدکاری نہ کرنا۔ یعنی زنا جیسے گناہ میں ملوث ہونا جو اتنا بڑا گناہ ہے جس میں غیر شادی شدہ کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم ہے اور حدیث میں ہے بدکاری کرنے والے کے رزق سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔

(۲۰) جھوٹی قسم نہ کھانا۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹی قسم کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے بلا وجہ بار بار قسم کھانا یا جھوٹی قسم کھانا ایمان کی حلاوت کو ختم کر دیتا ہے۔

(۲۱) جھوٹی گواہی نہ دینا۔ جھوٹی گواہی دینا گویا دوسرے پر تہمت لگانا ہے۔

"(۲۲) نفسانی خواہشات پر عمل نہ کرنا۔ جہاد دو طریقے کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ انسان اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر دشمن کے مقابلے میں جا کر دین ومذہب کی بقا کے لیے اپنی جان راہ خدا میں قربان کر دینے کا جذبہ رکھے۔ دوسرا وہ شخص جو اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد کرے اور شیطانی غلبے کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دے یہ جہادِ اکبر ہے۔

(۲۳) مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرنا۔ یعنی پیٹھ پیچھے ایسی بات کہنا جو اس کی ذات سے تعلق رکھتی ہو اگر اس کے سامنے کہی جائے تو اسے برا لگے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کیا کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ ہرگز نہیں تو دوسروں کی غیبت مت کر واس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

(۲۴) پاک دامن عورت یا مرد کو تہمت نہ لگا۔ یعنی کسی شخص کے تعلق سے ایسی بات یا عیب کو بتانا جو اس کے اندر نہ ہو تہمت کہلاتا ہے۔ تہمت لگانے والے شخص کو قاضی کی صواب دید کے مطابق ۲۰ سے ۸۰ کوڑے لگوانے کا حکم ہے۔

(۲۵) مسلمان بھائی سے کینہ نہ رکھ۔ یعنی اپنے دل میں کسی مومن بھائی کے تعلق سے نفرت پیدا کرنا۔ کینہ ایمان کو ایسا برباد کر دیتا ہے ایلوا [ایک کڑوا پھل] شہد کو۔ ہمیشہ اپنے قلب کو کینے سے پاک رکھو۔

(۲۶) کھیل کود میں مشغول نہ ہو۔ یعنی لہو ولعب کو اپنا مشغلہ نہ بناؤ اللہ نے تمہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ کھیل کود کے لیے۔ شریعت نے ہر کھیل کو منع کیا ہے سوائے تین کھیلوں کے، گھوڑے کی سواری کرنا، شوہر کا بیوی سے کھیلنا اور کشتی کھیلنا۔ چونکہ کھیل تضیع اوقات ہے جو مسلمانوں کی پستی کا سبب ہے۔

(۲۷) تماشہ دیکھنے والا نہ بن۔ چاہے دنیوی تماشہ ہو یا کسی مسلمان کی ذلت ورسوائی کا، ایک مون کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کہ وہ تماشائی بنا رہے۔

(۲۸) کسی پستہ قد کو عیب کی نیت سے ٹھگنا مت کہہ۔ چونکہ ایسا کرنے سے دل شکنی ہوتی ہے اور ایک مومن کی دل شکنی کعبے کو ڈھانے سے زیادہ سخت ہے۔

(۲۹) کسی کا مذاق مت اڑا۔ کسی کی غربت وافلاس، ذلت ورسوائی کا مذاق مت اڑا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تیرا مذاق نہ اڑوا دے، چونکہ عزت وذلت اللہ ہی کے دینے سے ملتی ہے۔

(۳۰) مسلمانوں کے درمیان چغل خوری مت کر۔ چغل خوری نفاق پیدا کرتی ہے جو اختلاف کا سبب ہے اور دو مومنوں کے درمیان دوری اللہ کو پسند نہیں، اللہ سے ڈرو اور چغل خوری سے باز رہو۔

(۳۱) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا۔ جو چیز یا نعمت اللہ نے تجھے عطا کی ہے اسی پر صبر کر کے اس کا شکر ادا کر، اس لیے کہ شکر ادا نہ کرنا بے برکتی کا سبب ہے۔

(۳۲) بلا اور مصیبت پر صبر کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر طرح آزماتا ہے، تو کسی بھی مصیبت اور پریشانی کے وقت صبر سے کام لو اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت صبر والوں کے ساتھ ہے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خبر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اُمم سابقہ پر بھی آیا اور جو نافرمان بندے ہیں وہ بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اللہ کے عذاب سے بے خبری انسان کو جرائم کا مرتکب اور اس کا عادی بناتی ہے۔

(۳۴) رشتے داروں سے قطع تعلق نہ کر۔ تعلقات کو دنیوی معاملات کی وجہ سے منقطع کرنا اللہ کے فضل سے محرومی کا سبب ہے۔

(۳۵) صلہ رحمی کرنا۔ صلہ رحمی بڑی چیز ہے، حدیث پاک میں ہے جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا اس لیے اگر چاہتے ہو کہ اللہ تم پر رحم کرے تو تم دوسروں پر رحم کرو۔

(۳۶) اللہ کی کسی مخلوق پر لعنت نہ کر قرآن و احادیث میں جن کو ملعون کہا گیا ہے صرف وہی لعنت کے مستحق ہیں کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے مومن کو لعنت کا مستحق ٹھہرائے، صرف اللہ ورسول کو اس اختیار ہے۔

(۳۷) سُبحانَ اللہ، اَللہ اَکبر اور لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا کثرت سے ورد۔ یعنی ذکر جلی و خفی سے اپنے قلب کو جلا بخشتے رہنا چاہیے۔

(۳۸) جمعہ و عیدین میں غیر حاضر مت رہ۔ جمعہ و عیدین مومنین کی عیدیں ہیں ان میں غیر حاضری منافقین کی علامت ہے اور بعض کتب معتبرہ میں ہے کہ لگا تار تین جمعہ چھوڑنے والے کا ممکن ہے خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔

(۳۹) تقدیر پر یقین رکھنا۔ یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ جو مصیبت و راحت تجھے پہنچی وہ ٹلنے والی نہ تھی اور جو کچھ نہیں پہنچا وہ کسی طرح بھی پہنچنے والا نہ تھا۔

(۴۰) قرآن مجید کی تلاوت کسی حال میں نہ چھوڑ۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وہ کتاب ہے جس کی تلاوت خیر و برکت و ایمان میں اضافہ کا سبب ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ جو کوئی ان کو یاد کرے اسے کیا ثواب ملے گا نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کا حشر انبیائے کرام کے ساتھ اور علمائے دین کے ساتھ فرمائے گا۔

بقیہ: فضائلِ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایصال ثواب کی دعا میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شریک نہ کیا جائے تو بھی حضور اکرم ﷺ آزردہ ہوتے ہیں تو جب کوئی دریدہ دہن بیباک ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہوگا تو پھر حضور ﷺ کی رنجیدگی کا کیا عالم ہوگا۔ یہیں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مگر یہاں حضور ﷺ کی ناراضگی کو کون دیکھتا ہے یہاں تو ان دوکانداروں کو اپنی دکان چلانے کی پڑی ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ جو بھی حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھے تو وہ واقعی حضور ﷺ ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ شیطان تو بمطابق حدیث پاک حضور ﷺ کی صورت مبارک میں آہی نہیں سکتا اور پھر یہ خواب بھی امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی اس عالم میں بھی اس دنیا کے رہنے والوں پر کس قدر نظر ہے۔

حدیث مبارکہ ہے: "**عن ابی سلمه ابن عبد الرحمن عن ابیه قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول لا زواجه لا یعطفن علیکم بعدی الا الصابرون والصادقون۔**" ترجمہ: حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے اپنی گھر والی بیویوں کو میرے بعد تم پر وہ لوگ رحم کریں گے جو صابر اور صادق (سچے) ہوں گے۔"

معلوم ہوا کہ صبر اور صدق کی پہچان حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کی بیویوں پر رحم کرنا ہے۔ مگر یہاں تو ان کی وفات کے صدیاں بیت جانے کے بعد بھی ان کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ آمین!

حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفداروں میں اور حضرت عائشہ صدیقہ کے مقابلہ میں [جنگ صفین میں] جنگ کرنے والے تھے) نے ایک آدمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں نازیبا کلمات کہتے ہوئے سنا۔ اس کی بات سن کر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے بدحال! گالیاں پڑنے کے لائق، خاموش ہو جا میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

سیر الصحابہ

فضائل اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا وصال 13 یا 17 رمضان المبارک کو ہوا

علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی ایم اے، پاکستان

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک عظیم باپ کی بیٹی تو ہیں ہی مگر امام الانبیاء ﷺ کی معتمد ترین رفیقہ حیات ہونے کی حیثیت سے جہاں عظمت وفضیلت میں منفرد ہیں وہاں مظلومیت میں بھی سب سے زیادہ آپ کو حاسدین کی سازشوں کا نشانہ بننا پڑا۔

ذرا اس منظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے لایئے اور اس موقعہ کا تصور کیجئے کہ جب صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی تھیں کہ "اشکو ابھی و حزنی الی الله" یعنی میں اپنا دردِ دل علیم بذات الصدور کو سنا چکی ہوں۔'' یہی وہ مرحلہ تھا جب عرشِ بریں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عفت و پاکیزگی کا اعلان ہوا۔

" الخبیثت للخبیثین والخبیثون للخبیثت والطیبت للطیبین والطیبون للطیبت۔" '' گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے اور ستھریاں ستھروں کے لیے اور ستھرے ستھریوں کے لیے۔''

صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کیس میں خود اللہ تعالیٰ نے وکیل صفائی کی حیثیت سے جرح کرتے ہوئے فرمایا!

ناپاک عورتیں تو ناپاک مردوں کے لیے جس طرح ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہوا کرتے ہیں اسی طرح پاک عورتیں پاک باز مردوں کے لیے اور پاک باز مرد پاک باز عورتوں کے لیے ہوا کرتے ہیں اور جج کی حیثیت سے فیصلہ صادر فرماتے ہوئے کہا!

" أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۔" یعنی یہ ان تمام آلودگیوں سے پاک اور باعزت بری ہیں اور اس الزام تراشی کے باعث ان کو جس اذیت و پریشانی سے گزرنا پڑا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا! " لهم مغفرة و رزق کریم " ''ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حلقہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین میں فخریہ کہا کرتی تھیں کہ صرف میں پیغمبر ﷺ کے گھر کنواری کی حیثیت سے آئی ہوں میں نے ہی جبرائیل امین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مجھے کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے میرے بستر پر خدا کا قرآن اُترا اور میرا حجرہ رسول اللہ ﷺ کی آخری آرام گاہ بنا (جواب گنبد خضریٰ ہے) اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جب الزام لگا تو ایک بچہ وکیل بنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا تو ایک عورت صفائی میں بولی، حضرت مریم پر الزام لگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وکیل صفائی بنے مگر جب میری (حضرت عائشہ) کی باری آئی تو خود رب ذوالجلال میرا وکیل صفائی بن گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر انسانوں نے الزام لگایا اور انسانوں نے ہی صفائی دی۔ مگر رسول عربی برگزیدہ کائنات ﷺ کی حمیرا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقدر تو دیکھئے کہ الزام انسانوں نے لگایا صفائی رحمن نے دی۔ فرش پر الزام لگایا، عرش سے اعلان برأت ہوا۔ ع

ہے سورۂ نور جن کی گواہ ان کی پرنور صورت پہ لاکھوں سلام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے مثال عالمہ فقیہہ اور فاضلہ تھیں۔ حضور انور ﷺ سے بہت سی احادیث مبارکہ روایت فرمائیں، تاریخ عرب پر بڑی خبر تھی، اشعارِ عرب پر بڑی نظر تھی۔

''خلاصہ تہذیب'' میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ہزار دو سو دس [2210] احادیث مبارکہ مروی ہیں جن میں ایک سو چوہتر [174] متفق علیہ ہیں۔ یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں کی روایات اور چون ۵۴ احادیث مبارکہ صرف بخاری شریف کی ہیں۔ اڑسٹھ احادیث مبارکہ صرف مسلم شریف کی۔ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل کی چند احادیث مبارکہ)

حدیث نمبر 1: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی دوسرے کھانوں پر۔

حدیث نمبر 2: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کو جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تھا اور ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرتے تھے تو ان کے پاس اس کا حل بھی ہمیں ضرور مل جاتا تھا۔ (ترمذی شریف)

حدیث نمبر 3: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''تو مجھے خواب میں تین دفعہ دکھائی گئی فرشتہ تجھے ریشم کے کپڑے میں لپیٹی ہوئی لایا اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی اہلیہ ہیں۔ میں نے تیرے چہرے سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو واقعۃً تو ہی تھی پس میں نے کہا کہ اگر یہ منجانب اللہ تعالیٰ مقدر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا۔

حدیث نمبر 4: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن ہدیہ (تحفے) بھیجنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے جس سے ان کا مقصود آنحضرت ﷺ کی رضا جوئی تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی دو جماعتیں تھیں۔ ایک میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔ اور دوسری جماعت میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور باقی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس سلسلہ میں بات کیجئے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حکم فرمائیں کہ آپ ﷺ جس گھر میں بھی ہوں آپ کے لیے ہدیہ (تحائف) بھیجے جائیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن کا بطور خاص اہتمام نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے عائشہ بارے میں ایذا نہ دو کیونکہ سوائے عائشہ کے لحاف کے اور کسی بیوی کے لحاف میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔ اُم سلمہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کی ایذا دہی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ پھر ان ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا! بیٹی کیا تم اس سے محبت نہیں رکھتی جس سے میں محبت رکھتا ہوں۔ عرض کیا ''ضرور'' فرمایا پس اس سے محبت رکھو۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کے فضائل حد وشمار سے باہر ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقہا وعلما وفصحا وبلغا اکابر صحابہ میں سے تھیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ احکام شرعیہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا معلوم ہوا ہے اور احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ!

حدیث نمبر 5: ''تم اپنے دو تہائی دین کو ان حمیرا یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حاصل کرو۔'' صحابہ کرام وتابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔

حدیث نمبر 6: عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا'' میں نے کسی کو معانی قرآن، احکام حلال وحرام، اشعارِ عرب اور علم الانساب میں حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اعظم فضائل ومناقب میں سے ان کیلیے حضور اکرم ﷺ کا بہت زیادہ محبت فرمانا ہے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضور اکرم ﷺ کی محبت حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آقا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ۔ پھر حضرت عائشہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں میں سے کون محبوب تر تھا۔ فرمایا فاطمہ۔ لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ازواجِ مطہرات میں محبوب تر سیدہ عائشہ صدیقہ اور اولادِ پاک میں محبوب تر سیدہ فاطمۃ الزہرا اور اہل بیت میں سے محبوب تر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحاب میں سے محبوب تر حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ! ''حدیث دیگر آمدہ کہ از فاطمہ پرسیدند کہ از آدمیاں کہ دوست تر بو برسول مقبول ﷺ فرمود عائشہ! گفتند از مرداں فرمودند پدر شریف وے''۔ ترجمہ: دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو کس سے زیادہ محبت تھی۔ سیدہ نے فرمایا حضرت عائشہ سے انہوں نے پھر پوچھا کہ مردوں میں سے فرمایا ''ان کے والد شریف (صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے۔''

اب ان روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کی آپس میں کس قدر مہر ومحبت تھی اور کس قدر تقدس اور بے نفسی کہ ایک دوسرے کے فضائل ومناقب، برتری وبزرگی کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے۔ اب صدہا سال بعد اس گئے گزرے دور میں کہ جب نفسانیت کا زور، علم وعمل کی کمی اور تقویٰ وورع کا فقدان ہے تو کسی جعلی پیر یا نام نہاد مولوی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ گھر بیٹھے ان حضرات نفوسِ قدسیہ میں تفریق ڈالے، ان کے بارے میں رائے زنی کرے ان کو برا کہہ کر اپنے بغیض دل کی یوں بھڑاس نکالے اور اپنے نفس امارہ کو یوں تسکین دے۔ جبکہ سلف صالحین تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لیتے ہوئے کس قدر مؤدب اور معترف حقیقت نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ ان کا مطمح نظر محبوب خدا ﷺ کو جو خوش کرنا ٹھہرا ہے۔ اسی مدارج میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اکابر تابعین میں سے تھے۔ جس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے تو فرمایا کرتے "حدثنی الصدیقه بنت الصدیق حبیبة رسول الله ﷺ"۔ یعنی مجھ سے حدیث بیان کی صدیقہ بیٹی صدیق کی محبوبہ رسول اللہ ﷺ نے یا کبھی اس طرح حدیث بیان کرتے۔ "حبیبة حبیب الله امرأة من السماء"۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی محبوبہ آسمانی بیوی۔''

اسی مدارج النبوت میں ہے کہ سیدہ عائشہ کی ایک اور فضیلت یہ تھی وہ فرماتی ہیں کہ ''میں اور حضور اکرم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ ﷺ کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے ساتھ ایسا نہ کرتے تھے۔

پھر اسی مدارج النبوت میں حضرت شیخ محقق لکھتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم روپے راہ خدا میں صدقہ کرتے دیکھا ہے حالانکہ ان کی قمیص مبارک کے دامن میں پیوند لگا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے ان (حضرت عائشہ) کے لیے ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے اسی دن سب خرچ کر ڈالے اور اقارب وفقرا (غریبوں) پر تقسیم فرمادیئے۔ حالانکہ اس دن آپ روزے سے تھیں۔ شام کے کھانے کے لیے ان میں سے کچھ نہ بچایا۔ باندی نے عرض کیا کہ اگر ایک درہم روٹی خریدنے کے لیے بچا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ (حضرت عائشہ صدیقہ) نے فرمایا ''یاد نہیں آیا اگر یاد آجاتا تو میں بچا لیتی۔''

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریفہ میں فرماتے ہیں۔ ''چند سال پہلے فقیر کا یہ طریق تھا کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہل عبا کی ارواحِ پاک کو بخش دیا کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فاطمہ الزہرا اور حضرت امامین کریمین کو بھی ملا لیا کرتا تھا۔ ایک شب کو فقیر نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں فقیر نے سلام عرض کیا تو فقیر کی طرف حضور ﷺ متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے روئے مبارک کو پھیر لیا۔ اور پھر فقیر سے ارشاد فرمایا کہ ''میں (حضرت عائشہ) کے گھر کھانا کھاتا ہوں جس کسی کو کھانا بھیجنا ہو وہ (حضرت) عائشہ صدیقہ گھر بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی آزردگی اس وجہ سے تھی کہ فقیر حضرت عائشہ صدیقہ کو شریکِ ثواب نہ کرتا تھا (ایصال ثواب کی دعا میں) اس کے بعد فقیر حضرت عائشہ صدیقہ اور تمام ازواج مطہرات کو (جو سب اہل بیت ہیں) شریک کر لیتا ہے اور تمام اہل بیت اطہار کو اپنا وسیلہ بناتا ہے۔

(بقیہ: صفحہ ۱۸ پر)

ماہِ رواں

مکہ مکرمہ کے تاریخی مقامات کا مختصر تعارف وتبصرہ

از: عطاء الرحمن نوری، مالیگاؤں

★**مسجد حرام**: بیت اللہ شریف مسجد حرام کے بیچ میں واقع ہے۔ مسجد حرام ایک وسیع احاطہ ہے جس میں چاروں طرف سے وسیع دالان ہیں، جو خوبصورت اور مضبوط ستونوں پر قائم ہیں۔ دالان کے بعد ہر طرف سے کھلا ہوا وسیع صحن ہے اس کے بعد طواف کرنے کی جگہ ہے جس کے بیچ میں خانۂ کعبہ کی عمارت ہے۔ پرانی اور نئی تعمیر کا مجموعی رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میٹر ہے۔ مسجد حرام کے پورے احاطہ میں پانچ لاکھ آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ نئی تعمیر میں سات مینار بنائے گئے ہیں۔ ہر مینارہ کی بلند ۲۹ میٹر یعنی تقریباً ۳۰۰ رفٹ ہے۔

★**مطاف**: خانۂ کعبہ کے اردگرد جو طواف کرنے کی جگہ ہے اس کو مطاف کہتے ہیں۔ یہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے جو سورج کی تپش سے گرم نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں مسجد حرام اسی قدر تھی۔

★**بابُ السّلام**: باب السلام اس دروازہ کو کہتے ہیں جہاں سے عہد نبوی میں لوگ مسجد حرام میں داخل ہوتے تھے۔ اب باب السّلام کسی دروازے کی صورت میں ہیں ہے البتہ اس جگہ پر سنگ مرمر کی کالی لکیر کھینچ دی گئی ہے۔ عمرہ کے طواف کے لیے اسی جگہ سے مطاف میں داخل ہونا افضل ہے۔ موجودہ وقت میں باب السلام کے نام سے جو دروازہ ہے وہ قدیم باب السلام کے مقابل ہے۔

★**مقام ابراھیم**: دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں پتھر رکھا ہوا ہے اسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہوکر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ جب دیواریں اونچی ہونے لگیں تو حضرت جبریل علیہ السلام خدائے تعالیٰ کے حکم سے یہ پتھر جنت سے لائے۔ جیسے جیسے دیواریں اونچی ہوتی جاتیں یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ اس طرح پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدم کے نشان پیدا ہوگئے جو اب تک موجود ہیں۔ قرآن کریم میں مقام ابراہیم کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔

★**زم زم**: مقام ابراہیم سے متصل دکھن جانب زم زم کا کنواں واقع ہے۔ مقام ابراہیم کی طرح زم زم بھی مطاف میں تھا۔ بھیڑ کی وجہ سے چند سال پہلے اُسے نچلے حصے میں لے جایا گیا۔ الیکٹرک کے ذریعہ اس کا پانی کھینچ کر باہر بنے ہوئے نلوں میں پہنچایا جاتا ہے جس سے آب زم زم کے حصول میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ حدیث شریف میں آبِ زمزم کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے (ابن ماجہ) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ زم زم کا پانی خوراک ہے، شکم سیری کے لیے اور شفا ہے بیماری کے لیے۔ چنانچہ ایک مصری ڈاکٹر کی تحقیقات کی رو سے آب زم زم میں مندرجہ ذیل معدنی اجزا پائے جاتے ہیں جو طرح طرح کی بیماریوں کے لیے مفید ہیں۔ میگنیشیم، سوڈیم سلفیٹ، سوڈیم کلورائیڈ، کیلشیم کاربونیٹ، پوٹاشیم نائٹریٹ، ہائیڈروجن اور گندھک۔

★**رُکن**: کعبہ شریف کے گوشہ یعنی کونا کو 'رکن' کہتے ہیں۔ جنوب مغرب کا گوشہ جو یمن کی طرف ہے اُسے رکن یمانی کہتے ہیں۔ شمال مغرب کا گوشہ جو ملک شام کی طرف ہے اُسے رکن شامی کہتے ہیں۔ شمال مشرق کا گوشہ جو عراق کی طرف ہے اسے رُکن عراقی کہتے ہیں اور جنوب مشرقی کونا جس میں حجر اسود ہے اُسے رُکن اسود کہتے ہیں۔

★**حجر اسود**: یہ مبارک پتھر جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے جو کعبہ شریف کی دیوار کے ایک کونے میں زمین سے چار فٹ کے اوپر نصب ہے اور بیضوی شکل میں چاندی کے حلقے سے گھرا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حجر اسود جب جنت سے دُنیا میں لایا گیا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر آدمیوں کے گناہوں کی وجہ سے کالا ہوگیا۔ (احمد، ترمذی) اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ

سرکار اقدس ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ حجر اسود کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسی حالت میں اُٹھائے گا کہ اس کے دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور اس شخص کے بارے میں گواہی دے گا کہ جس نے اس کو حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

★**حطیم:** رکن شامی اور رکن عراقی کے درمیان مدینہ طیبہ کی جانب قوس کی شکل میں ایک جگہ ہے جو آمدورفت کا راستہ چھوڑ کر سنگ مرمر کی تقریباً پانچ فٹ بلند دیوار سے گھری ہوئی ہے اس کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کعبہ شریف کی محراب مدینہ شریف کی طرف گر گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؂

جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں کعبہ شریف کے اندر جا کے نماز پڑھوں تو حضور نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ جب تیرا دل کعبہ میں داخل ہونے کو چاہے تو یہاں آ کر نماز پڑھ لیا کر کہ یہ کعبہ ہی کا ٹکڑا ہے تیری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی اس حصہ کو (خرچ کی کمی کے سبب) کعبہ سے باہر کر دیا۔ (ابوداؤد)

★**میزابِ رحمت:** کعبہ شریف کی چھت میں اتر طرف ایک سونے کا پرنالہ ہے اُسے میزابِ رحمت کہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو کعبہ شریف کی چھت کا پانی اسی پرنالہ سے حطیم کے اندر گرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص میزابِ رحمت کے نیچے دعا کرے اُس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

★**ملتزم:** حجر اسود اور کعبہ شریف کے دروازے کے درمیان جو دیوار کا حصہ ہے اُسے ملتزم کہتے ہیں۔ ملتزم کے معنی ہیں لپٹنے کی جگہ۔ یہاں پر لوگ لپٹ لپٹ کر دعائیں کرتے ہیں غالباً اسی وجہ سے اس کا نام ملتزم پڑا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ کسی بندہ نے وہاں ایسی دعا نہیں کی جو قبول نہ ہوئی ہو۔ (حصن حصین)

★**مستجاب:** رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان جنوبی دیوار کو مستجاب کہتے ہیں۔ یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں اس لیے اس کا نام مستجاب رکھا گیا۔

★**صفا:** کعبہ شریف کے دکھن پورب کونے پر ایک چھوٹی پہاڑی ہے جہاں سے سعی شروع کی جاتی ہے۔

★**مروہ:** کعبہ شریف کے اُتر پورب کونے پر ایک دوسری چھوٹی پہاڑی ہے جہاں سعی ختم کی جاتی ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان تقریباً دو فرلانگ کا لمبا راستہ ہے جو سنگ مرمر کے ستونوں اور دیواروں پر دو منزلہ بنایا گیا ہے اور زمین پر بھی سنگ مرمر بچھا دیا گیا ہے جس سے حجاج کو سعی میں بڑی سہولت ہوگئی ہے۔

★**دُعاؤں کی قبولیت کے مقامات:** کعبہ شریف کے اندر، میزابِ رحمت کے نیچے، حطیم، طواف کرتے وقت مطاف میں، مقام ابراہیم کے پیچھے، ملتزم، کعبہ شریف کے دروازہ کے سامنے، حجر اسود کے پاس، حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان، زمزم کے پاس، صفا اور مروہ پر سعی کرتے وقت، میلین اخضرین یعنی دو سبز ستونوں کے درمیان، عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور جمرات کے پاس، یہ سب دعاؤں کی مقبولیت کے خاص مقامات ہیں۔ یہاں نہایت عاجزی کے ساتھ دعا مانگنی چاہئیں۔ (استفادۂ خصوصی: حج و زیارت، از: مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک عجیب میزبان

لنگر لگا ہوا تھا اور لاتعداد لوگ اس اچھے کھانے سے مستفید ہو رہے تھے۔ ہر شخص اپنا حصہ لے کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ ایک انسان نے دو لوگوں کا لنگر مانگا تو تقسیم کرنے والے نے پوچھا کہ دو انسانوں کے لیے کیوں مانگ رہے ہو؟ اس نے کہا ایک اپنے لیے اور ایک اس غریب مسکین آدمی کے لیے جو کونے میں بیٹھا روکھی روٹی کو پانی سے کھا رہا ہے۔ لنگر تقسیم کرنے والے نے جواب دیا یہ لنگر جو سب کھا رہے ہیں وہ سب اسی انسان کی جانب سے ہی تقسیم کیا جا رہا ہے اور وہ ہمارے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔

فکر و عمل

مسلمانوں سے مخلصانہ معروضات

اسلام صرف بحث ومباحثے کے لیے، اسٹیج شو کے لیے، لمبی لمبی تقریروں کے لیے، اونچی اونچی باتوں کے لیے مباحثہ ومذاکرہ (Debating and Discussion) کے لیے، سیمینار وسمپوزیم (Seminar and Symposium) منعقد کرنے کے لیے اور text messages , Twitter,whatsApp کے ذریعہ اسلام کی باتیں پھیلانے کا نام نہیں بلکہ اسلام عمل کا نام ہے اور اسلام عمل کے لیے ہے۔ قرآن کریم میں بار بار اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کی تکرار آئی ہے۔ مطلب صاف ہے کہ ایمان وعمل ساتھ ساتھ ہیں یا ایمان کے بعد عمل کا درجہ ہے اور ایمان کا اولین تقاضا عمل ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہوتا ہے: مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (ریاض الصالحین باب فی قضاء حوائج المسلمین) یعنی جس کا عمل ست وکمزور ہے اُس کا نسب اُسے تیز وطاقتور نہیں کرسکتا۔ ؏

تاخیر کا موقعہ نہ تذبذب کا محل ہے
یہ وقت عمل، وقتِ عمل وقت عمل ہے

انگریزی میں کہا جاتا ہے There is no time for dialogue.It is time for action.

ہم نے پہلے ہی بہت وقت ضائع کردیا ہے، اپنا بھی اور قوم کا بھی۔ اب مزید وقت ضائع کرنے کی ملت میں گنجائش نہیں۔ لہٰذا کردار و عمل سے وقت کو قیمتی بنانا سیکھیں اور اس طرح ہر میدانِ علم وعمل اور ہر ہر محاذِ فکر وفن میں آگے بڑھیں۔

☆ اسلام صرف بتانے، جتانے، دکھانے اور ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اسلام اپنے اوپر نافذ کرنے اور اپنانے کے لیے ہے۔

کیونکہ اسلام کوئی سیاسی جماعت، فائنانس کمپنی، مول [Mall] یا سوپر مارکیٹ نہیں۔

Islam is not a mall,finance company, industry or political party.

آج ہم نے مساجد ومدارس، عیدگاہ وقبرستان اور الگ الگ مسلکوں، فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں مقابلہ اور مسابقت کی ایک ہوڑ لگا دی ہے۔ ہماری مسجد بڑی ہے یا تمہاری مسجد بڑی ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے ماننے والوں کی تعداد بڑی ہے یا تمہاری جماعت کے پیروکاروں کی تعداد بڑی ہے۔ ؏

بس یہی دوڑ ہے اس دور کے انسانوں کی
تیری دیوار سے اونچی میری دیوار بنے

☆ اسلام میں قلب کی صفائی اور باطن کی اصلاح کو بنیادی و اساسی حیثیت حاصل ہے۔ صرف چہرے پر داڑھی، لمبا کرتہ، اونچی ٹوپی، پگڑی وعمامہ اور مذہبی وضع قطع اور لباس کی تراش خراش ہی کافی نہیں۔ حضور معلم انسانیت ونبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت صاف صاف بتلا دیا ہے: إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (نوادر الحدیث بحوالہ صحیح بخاری) یعنی قلب صالح وپاک ہے تو جسم ونظامِ جسم صالح وپاک ہے اور اگر یہ فساد زدہ یا فسادی ہے تو یقیناً پورا جسم ونظامِ جسم بھی فساد زدہ اور فسادی ہے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ یعنی اسلام میں سارے اعمال کی بنیاد نیتِ خالص پر ہے۔ لہٰذا بدن کو بنانے سے پہلے مَن کو بناؤ اور ظاہر کو سنوارنے سے پہلے باطن کو سنوار لو۔ کیونکہ

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

اور پھر دل پاک وصاف ہو تو ہر شئی کے ساتھ انصاف ہوتا ہے، ہر عمل وعبادت مقبول ہوتی ہے اور ہر کام میں برکت ورحمت ہوتی ہے ؏

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہیں ہے

جو دل پاک ومخلص ہوتے ہیں وہ موم کی طرح پگھلتے ہیں، پھول کی طرح دوسروں کو خوشبو دیتے ہیں اور شجر سایہ دار کی طرح اپنے آس

پاس رہنے والوں کو چھاؤں دیتے ہیں۔ اس لیے دل بنانے میں عمریں نکل جاتی ہیں تب کہیں جا کر دل بنتے ہیں۔

ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمر بیت جاتی ہے دل کو دل بنانے میں

جب دل سنور جاتے ہیں تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے ساعت کریں ؎

رہیں ان کے جلوے بسیں ان کے جلوے
میرا دل بنے یادگار مدینہ

☆ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عزت چاہیں۔ دنیا کی عزت اور دنیا والوں کی عزت کا کیا بھروسہ! آج ہے کل نہیں۔ آج کرسی پر بٹھا دیا کل کرسی سے اُتار دیا۔ لوگ جس طرح روزانہ کپڑے بدل دیتے ہیں اسی طرح آج کل عزت ذلت میں اور ذلت عزت میں بدلتی نظر آتی ہے۔

قرآن شریف میں آیا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعاً۔ (سورۂ فاطر آیت ۱۰) جسے عزت کی چاہ ہو تو عزت تو سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ المنافقون آیت ۸) عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے۔

اسی لیے تو یہ دعا سکھائی گئی ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۔ (آل عمران آیت ۲۶) یوں عرض کرا ے اللہ ملک کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے سچا ہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔

اس لیے عزت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مانگو نہ کہ دنیا والوں سے، دنیا والے آج عزت دیں گے کل ذلیل کر دیں گے۔ آج اوپر بٹھائیں گے کل نیچے اُتار دیں گے۔ جو دنیا والوں کی عزت پر بھروسہ کرتا ہے اکثر رُسوا ہوتا ہے۔

☆ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کو عجز وانکساری کا پیکر بنائیں اور مخاطب سے تواضع کے ساتھ پیش آئیں۔ حضور معلم انسانیت ﷺ اپنی امت کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوراً وَّاجْعَلْنِيْ شَكُوراً وَّاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيراً وَّ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيراً ۔ (بزار عن بریدہ اسلمی) اے اللہ مجھے خوب صبر وشکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا مگر دوسروں کی نظروں میں بڑا بنا دے۔ سبحان اللہ کتنی عمدہ بات ہے جب انسان اپنے کو اپنی نظر میں چھوٹا بنالے گا تو کبر وغرور سے پاک ہو جائے گا اور عجز وانکساری کا آئینہ بن جائے گا۔ اس طرح وہ بے شک خود بخود لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا جائے گا۔ اس کی عزت ووقار میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ لوگوں کی توہین وتذلیل کرنا اور اپنے مخاطب کے جائز مقام سے چشم پوشی کرنا اور اُسے گرا کر بات کرنا مسلمانی نہیں بلکہ مسلمانیت کے ساتھ مذاق ہے۔

مجھ سے میری نگاہ کی قیمت نہ پوچھئے
دیکھا نہیں کسی کو حقارت سے آج تک

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تین قسم کی چیزیں تین قسم کے بندوں کو ملتی ہیں۔ عزت، یہ بندۂ رحمٰن کو دی گئی۔ تکبر یہ بندۂ شیطان کو ملی اور غرور یہ بندۂ نفسانی کو ملی۔ (تفسیر نعیمی سورۃ الحج ج ۱۷ ص ۱۸۳)

☆ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کو اولین ترجیح دیں۔ صرف اپنی بات کرنا، صرف اپنے مطلب کی کہنا اور اور صرف اپنی ہی سنانا چھوڑ دیں۔ دوسروں کی بھلائی کے لیے بھی کام کریں، دوسروں کے مقاصد ومفادات کا بھی خیال رکھیں اور دوسروں کے غم وغصے کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔

ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ یعنی اچھا آدمی وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

یہی ہے عبادت یہی دین وایماں　　کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں
مرد ہو تو کسی کے کام آؤ　　ورنہ کھاؤ، پیو، چلے جاؤ
دردِ دل، پاس وفا جذبۂ ایماں ہونا　　آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

☆ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جھوٹ سے بچیں کیونکہ جھوٹ لعنت ہے، جھوٹ معصیت ہے اور جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے۔ فرمانِ رب العالمین ہوتا ہے: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ (البقرہ آیت ۱۰) ان کے لیے دردناک عذاب ہے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ حدیث شریف میں منافق کی چار علامتیں بتائی گئی ہیں۔ جب امین بنایا جائے گا

تو خیانت کرے گا، جب بات کرے تو جھوٹ بولے گا، جب کسی سے کوئی عہد کرے تو تو عہد شکنی کرے گا اور جب جھگڑا کرے تو بد زبانی کرے گا۔ (صحیح بخاری باب علامۃ المنافق)

مسلمان یاد رکھیں کہ دنیا کی ہر اچھائی اسلام میں ہے اور پورا اسلام قرآن مجید میں ہے اور پورا قرآن فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ میں ہے اور پورے اسلام کا خلاصہ رسول اللہ کی اطاعت و اتباع میں ہے کہ اقوال نبی کریم ﷺ کی اطاعت فرض اور اعمال نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب اسی اطاعت و اتباع کا نام اسلام ہے یہی امر بالمعروف ہے۔

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے
مسافرو روشِ کارواں بدل ڈالو
جگا جگا کے تمہیں سوگئے ہیں ہنگامے
نشاط و لذتِ خوابِ گراں بدل ڈالو
سفینہ اب بھی کنارے پہ لگ تو سکتا ہے
ہوا کہ رُخ پہ چلو بادباں بدل ڈالو

☆☆☆

دوہرا معیار کیوں؟

از: پروفیسر اسمٰعیل بدایونی

ارے میاں!

یہ کیا خرافات لگائی ہوئی ہے؟ یہ میلاد کے نام پر ہلڑ بازی کیوں کی جارہی ہے؟

ارے دیکھو تو سہی! بھنگڑے ڈالے جارہے ہیں۔ میوزک والی نعتیں چل رہی ہیں اور یہ لونڈے یوں تھرک رہے ہیں جیسے کوئی گانا چل رہا ہے۔ نہ عشقِ رسول ﷺ، نہ نعت کا تقدس۔ کچھ کہو تو وہابی دیوبندی ہونے کا فتویٰ۔ یہی تو وجہ ہے جو ہمارے اکابر نے اس میلاد کو بدعت کہا، منع کیا اور اس سے روکنے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کردیا۔ میں تو اس کا بالکل قائل نہیں ہوں۔ اس کو ناجائز سمجھتا ہوں، حرام سمجھتا ہوں۔ چچا فارق کے منہ سے تھوک اُڑ رہا تھا۔

چچا فارق ریٹائرمنٹ کے بعد بالکل ہی فارغ تھے۔ جو انہیں اُلٹا سیدھا سمجھ آیا کہہ دیا۔ ویسے بھی ہم ان کے گھر شادی کی تقریب میں شریک تھے، مصلحت کے تحت خاموش رہے۔ شام میں شادی کی رونق عروج پر اور چچا فارق کے گھر میں ناچ گانے کی محفل بھی عروج پر تھی۔ چچا فارق کے گھر کی خواتین ناچ گا رہی تھیں اور تھوڑی دیر میں جہاں شادی ہو رہی تھی وہاں مرد و خواتین کا مخلوط اجتماع mix gathering تھی۔ میں نے چچا فارق سے پوچھا: چچا فارق! یہ سب آپ کے گھر میں ہو رہا ہے، آپ تو بہت مذہبی آدمی ہیں۔

بس بیٹا! کیا بتاؤں۔ اب نوجوان نسل کہاں سنتی ہے۔ بس ان کی خوشی ہی میں ہماری خوشی ہے۔

میں حیران تھا چچا فارق کے اس جملے پر، تھوڑی دیر پہلے وہ جن اسباب کی وجہ سے میلاد کی مذمت کر رہے تھے، اب اپنے گھر میں ہونے والی خرافات کو کس خوبصورتی سے ٹال گئے۔

میں نے چچا فارق سے کہا: چچا فارق! اس طرح تو آپ پھر اس نکاح کو بھی ناجائز اور حرام سمجھتے ہوں گے؟

میری بات پر تو وہ جز بز ہوگئے۔ کہنے لگے کہ بھئی خرافات کی وجہ سے نکاح ناجائز و حرام تھوڑی ہوگا۔ خرافات ناجائز و حرام ہوسکتی ہیں۔

چچا فارق! اب آپ خود ہی بتایئے کہ میلاد النبی ﷺ منانا کس طرح ناجائز و حرام ہوگیا، خرافات ناجائز و حرام ہوسکتی ہیں۔

چچا فارق! ہم ان متشدد اور بے وقوف مولویوں کے کہنے میں آکر فرقہ واریت کو ہوا دینے لگتے ہیں۔ آپ کی یہ بات درست ہے، خرافات کی وجہ سے نکاح حرام نہیں ہوگا۔ اسی طرح کچھ لوگوں کی نادانی کی وجہ سے میلاد النبی ﷺ منانا ناجائز و حرام نہیں ہوگا۔

مسجد میں کتا آجائے تو کتا نکالتے ہیں، مسجد کو نہیں ڈھاتے۔ آیئے فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر میلاد النبی ﷺ کو منایئے۔ خرافات کو نکال کر منایئے، نہ کہ اس کو شرک و بدعت کہہ کر دشمنانِ اسلام کے ہاتھ مضبوط کیجیے۔۔۔۔

فکر و نظر

ہندوستانی مدارس کا نصاب تعلیم: چند غور طلب پہلو

غلام رسول دہلوی

اس حقیقت سے کوئی مجال انکار نہیں کہ مدارس اسلامیہ ہمیشہ تعلیمات نبوی کے گہوارے رہے ہیں اور آج بھی ایسے متعدد مدارس موجود ہیں جو اس سمت میں شاندار کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ لیکن افسوسناک صورتحال یہ بھی ہے کہ آج اکثر مدارس اپنے فارغین کو دور جدید میں پیش آنے والے علمی وفقہی چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بنانے میں کامیاب نہیں ہیں۔ دینی مدارس کے موجودہ حالات پر محض ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے ان حقیقی مقاصد سے بہت پیچھے ہیں جو ہمارے اصحاب بصیرت علما اور اسلامی دانشوروان نے ان کے آغاز سفر میں طے کیا تھا۔ آج مدارس کے نااہل، حریص اور خودغرض منتظمین جو مذہبی اداروں کے مقاصد سے بالکل ہی ناواقف ہوتے ہیں، اکثر ہندوستانی مداس پر اپنی اجارہ داری قائم کر چکے ہیں۔ لہٰذا، طلبا کو موجودہ عہد میں درپیش دینی، علمی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے تیار کرنے کی تو بات ہی چھوڑ دیں، جو کہ اسلامی تعلیمی اداروں کا بنیادی مقصد ہے، بہت سے مدارس میں مسلم بچے بنیادی اسلامی تعلیمات سے بھی ناآشنا ہیں۔

ہندوستان میں مدارس کی قسمیں

ہندوستان میں بنیادی طور پر دو قسم کے مدرسے ہیں: ایک وہ جو محض مسلم عوام کے مالی تعاون سے چلتے ہیں اور دوسرے وہ جو خاص طور پر یوپی، بہار، بنگال، جھارکھنڈ اور آسام میں ریاستی حکومتوں سے منسلک اور امداد یافتہ ہیں۔ اس طرح ہندوستانی مدارس اپنی متعلقہ ریاستی حکومتوں کے گرانٹ اور عوام کے مالی تعاون پر انحصار کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے مدارس کی تین زمروں میں درجہ بندی کی جا سکتی ہے: (1) مکتب (2) مدرسہ (3) دارالعلوم۔ اگرچہ ان کے درمیان کافی فرق ہے کہ لیکن ہندوستان میں عام مسلمان ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہر اسلامی تعلیمی ادارہ کو ''مدرسہ'' یا دارالعلوم ہی کہتے ہیں۔

لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے بیشمار مدارس اور حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے علاقائی مکاتب بھی آج اپنے آپ کو جامعہ یعنی یونیورسٹی سے موسوم کیے ہوئے ہیں۔

تاہم، ان مدارس کا فکری وتربیتی نظام اور نصاب تعلیم ان کے مکاتب فکر کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا، مدارس کے نصاب میں مختلف اسلامی نظریات، مذہبی افکار اور گوں ناگوں عقائد کی ترسیل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سنی صوفی مدارس میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے آفاقی روحانی نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان پر عمل کرنے پر زور دیا جاتا ہے، جبکہ انتہاپسند وہابی مدارس میں یہ اور اس طرح کے تمام تر صوفیانہ افکار سخت ممنوع ہیں۔

نصاب تعلیم کا ایک جامع نقطۂ نظر

اٹھارہویں صدی کے اوائل میں، ہندوستان کے دینی مدارس میں ایک جامع نصاب تعلیم رائج تھا جس میں مذہبی اور فلسفیانہ علوم کے علاوہ عصری وسماجی علوم کی متعدد کتابیں شامل تھیں۔ ان اسلامی مدارس نے مرکزی دھارے میں شامل عصری وسماجی علوم مثلاً ریاضی، فلکیات، طب، فلسفہ، منطق، جغرافیہ، ادب، کیمیا جیسے مضامین کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تفسیر، احادیث نبوی، فقہ اسلامی اور تصوف کے گنج گراں مایہ کی شمولیت سے دینی وعصری نصاب تعلیم کا ایک جامع نقطۂ نظر پیش کیا۔

دراصل، مدارس کا یہ نصاب بادشاہ اکبر کے زمانے میں میر فتح اللہ شیرازی نے تیار کیا تھا۔ بعد کے زمانے میں ہندوستانی علما نے روایتی اسلامی نصاب میں چند ضروری اصلاحات اور ترامیم کیں۔ میر فتح اللہ سیرازی کے بعد غیر منقسم ہندوستان میں درس نظامی کے نصاب پر کام کرنے والے قابل ذکر اسلامی علماودانشوران میں سے چند یہ ہیں: مفتی عبدالسلام لاہوری، مولانا دانیال چوراسی، ملاقطب الدین سہالوی، حافظ امان اللہ بنارسی، مولانا قطب الدین شمس آبادی اور ملا نظام الدین

سہالوی۔ ان تمام علما کا تعلق مختلف زمانوں سے رہا اور انہوں نے اسلامی نصاب تعلیم میں مختلف جہتوں کو متعارف کرایا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ملا نظام الدین سہالوی نے مرکزی دھارے میں شامل ہندوستانی مدارس کے تعلیمی نصاب کو از سر نو مرتب اور مدون کیا۔ اور اسی وجہ سے مدارس کے نصاب تعلیم کا نام انہی کے نام پر ''درس نظامی'' رکھا گیا۔

چونکہ ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی کا تعلق ان علما اور اساتذہ کے خاندان سے تھا جو اس زمانے میں ہندوستان میں علوم اسلامی کے مرکز فرنگی محل کی معروف درسگاہوں میں مامور تھے، اسی لیے ان کے پیش کردہ نصاب تعلیم پر نہ کوئی زبردست تنقید کی گئی اور نہ ہی کوئی مخالفت۔ اس کے نتیجے میں درس نظامی کا نصاب دہلی، فرنگی محل، لکھنؤ اور خیرآباد کے مرکزی دینی مدارس میں بخوبی رائج ہوگیا۔ خاص طور پر لکھنؤ اور دہلی کے معروف اسلامی علمانے اس نصاب کی تائید کی اور اسے اپنے یہاں نافذ بھی کیا، کیوں کہ وہ فرنگی محلی علما اور فقہا کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

درس نظامی کے نصاب کو نافذ کرنے کے پیچھے اس وقت کے اہل مدارس کے پاس بہت ساری وجوہات تھیں۔ مفتی تقی عثمانی نے ان میں سے ایک کا ذکر اس طرح کیا ہے: ''جب مغلوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرلیا تو درس نظامی کا نظام تعلیم جنوبی ایشیا میں وسیع پیمانے پر پھیل گیا۔ ہندوستان دینی علوم کے مراکز اور تعلیمی اداروں کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہوگیا۔ اسی نظام کی وجہ سے ایشیائی معاشرہ عظیم کامیابیوں سے ہمکنار ہوا۔ ہمیں درس نظامی کے نظام کو اپنانا ضروری تھا، اس لیے کہ اس نے علم کے شعبوں میں ہزاروں ماہرین علوم وفنون کو پیدا کیا۔''
(عثمانی MT_2000 ص:6)

درس نظامی بنیادی طور پر کلاسیکل اسلامی علوم مثلاً تفسیر قرآن، روایت حدیث، فقہ، بلاغت، عربی گرامر اور منطق و علم الکلام وغیرہ کی نصابی کتب (text books) پر مشتمل ہے۔ تاہم، اس نصاب میں اسلامی تاریخ اور یہاں تک کہ ملکی و بین الاقوامی اسلامی تحریکات کے مطالعہ کو اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ اس پہلو کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے ہم عہد وسطی میں تشکیل کردہ درس نظامی کے اہم مضامین اور نصابی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، جو آج بھی اکثر ہندوستانی مدارس میں شامل درس ہیں:

عربی گرامر (علم الصرف): میزان الصرف، منشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری وغیرہ

عربی گرامر (علم النحو): نحومیر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح شذوز الذہب اور شرح جامی وغیرہ

علم بیان ومعانی: مختصر المعانی اور مطول

منطق: شرح شمس، سلم، رسالہ میر زاہد، ملا جلال، صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی تہذیب، شرح تہذیب اور میر قطبی وغیرہ

فلسفہ: میبذی، شمس بازغہ اور صدرا وغیرہ

ریاضیات: توضیح، شرح چغمینی

علم الکلام: شرح مواقف، شرح عقائد نسفی

فقہ: نورالایضاح، قدوری، شرح وقایہ اور ہدایہ وغیرہ

اصول فقہ: اصول الشاشی، نورالانوار، توضیح و التلویح اور مسلم الثبوت وغیرہ

تفسیر قرآن: جلالین شریف، بیضاوی شریف

حدیث: مشکوٰۃ المصابیح، بخاری، مسلم، ترمذی، طحاوی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی، موطا امام محمد

سلفی، اہل حدیث اور جماعت اسلامی سے منسلک مدارس کے علاوہ تقریباً تمام مکاتب فکر کے مدارس میں عام طور پر درس نظامی کا یہی نصاب تعلیم رائج ہے۔ البتہ خارجی مطالعہ کے لیے ان کی اپنی اپنی کتابیں ہیں، اس لیے کہ عقائد، اصول اور معتقدات کے حوالے سے ان کے مذہبی نقطہ نظر میں خاصا اختلاف ہے۔ اس طرح ہندوستانی مدارس کے نصاب تعلیم مختلف نظریات اور اصول ومعتقدات کی نمائندگی کرتے ہیں جو کہ دین اسلام کی ایک دوسرے کی تشریح سے مختلف ہوتے ہیں۔

موجودہ حالات میں ناگزیر تبدیلی کی ضرورت

صدیوں پرانے درس نظامی کے نصاب کو بغیر کسی بڑی تبدیلی، بنیادی اصلاحات یا اس میں کوئی خاطر خواہ ترمیم کے بغیر عالمگیر اسلامی نصاب تعلیم کے طور پر آج بھی ہندوستانی مدارس میں پڑھایا جارہا ہے۔ بلکہ طالب علموں کو ان کے علمی وادبی ذوق یا صلاحیت کے موافق

مضامین یا کتابوں کو منتخب کرنے سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ آج ہندوستانی مدارس کا نصاب تعلیم فلسفیانہ اختلافات اور نزاعی مواد سے بھرا ہوا ہے اور اسلامی تعلیمات کے روحانی حسن سے خالی ہے۔ ماضی میں جن خوبصورت اسلامی تعلیمات کو ہندوستان کے صوفیا کرام نے اپنے مواعظ اور مکاتیب کے ذریعہ سے مرتب کیا تھا، وہ اس وقت مدارس کے تعلیمی نصاب میں شامل تھیں۔ لیکن اب عصر حاضر کے ملکی دینی مدارس کے نصاب میں وہ خوبصورت تعلیمی، اخلاقی اور روحانی مواد (Spiritual Study Material) خال خال ہی کہیں شامل ہے۔ یہاں تک کہ آج سنی صوفی مدارس میں بھی کشف المحجوب، فوائد الفواد اور عوارف المعارف جیسی کتب تصوف شامل درس نہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف کے یہ وہ تاریخی دستاویزات ہیں جن میں آفاقی اسلامی اقدار، خلق خدا کی خدمت، بقائے باہم، سماجی ہم آہنگی اور ساری انسانیت کے لیے محبت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب وہ دن بھی چلے گئے جب شیخ سعدی کی گلستاں اور بوستاں جیسی دانائی، حکمت اور اخلاقی اقدار کی تعلیم دینے والی کتابیں ہندوستانی مدارس کے نصاب کا حصہ تھیں۔ دین و امت کا وسیع ترین اسلامی تصور پیش کرنے کی بجائے مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب کا مقصد اب طالب علموں کو صرف اپنے ہی فقہی مذہب، اعتقادی مسلک اور خانقاہی مشرب کی واقفیت تک محدود رکھنا رہ گیا ہے۔

جدید سماجی، سائنسی اور دیگر عصری علوم کی تو بات ہی چھوڑ دیں، آج مدارس میں مذہبی مباحث کو بھی اس انداز میں نہیں پڑھایا جاتا جس سے دور جدید میں پیدا ہونیوالے مسائل کا حل پیش کیا جاسکے۔ مدارس کے روایتی علما و مدرسین اور دقیانوسی مہتمم حضرات اس بات کا تو پر زور دعویٰ کرتے ہیں کہ درس نظامی کا نصاب عالمی سطح پر قابل نفاذ ہے، اور اس لیے اس میں کسی جزوی تبدیلی کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر عالمی حالات اور بین الاقوامی مسائل تو چھوڑیں، ملکی تناظر میں بھی کیا ہمارے فضلائے مدارس کی علمی رہنمائی اور روحانی قیادت قابل اطمینان ہے؟ مدارس کے اکثر ارباب بست وکشاد کا کہنا ہے کہ چونکہ اسی درس نظامی نے ماضی میں ماہر اسلامی علما، فقہا اور متکلمین پیدا کیے ہیں، لہٰذا حال اور مستقبل میں بھی اس کا نتیجہ ایسا ہی ہوگا۔ بعض کے خیال میں تو جو شخص بھی درس نظامی میں تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے وہ یا تو گمراہ ہے یا مدارس کے خلاف کوئی سازشی کردار ادا کر رہا ہے۔

فرسودگی سے گریز اور تجدید و اصلاح کی علمی تحریک ضروری

اس کے برعکس اگر درس نظامی کے نصاب کا ایک تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں نہ صرف اختلافی مباحث، متروک و مہجور مواد اور فرسودہ مضامین کا غلبہ ہے بلکہ یہ طلبا کی صحت مند ذہنی نشوونما اور روحانی تربیت کے لیے بھی معاون ومد نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس میں ''تجدید، تحقیق یا نظر ثانی'' کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی، جو کہ اسلامی نظریہ تعلیم کے بنیادی اقدار میں شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک اس پر شاہد ہے کہ ''اللہ ہر 100 سال میں ایک ایسے انسان کو پیدا فرماتا ہے جو دین کی تجدید کرتا ہے۔'' مدارس میں طالب علموں کو یہ نبوی پیشن گوئی تو بار بار بتائی جاتی ہے، جبکہ مدارس خود ایسا کوئی ایک عالم پیدا کرنے میں ناکام رہ جاتے ہیں جو اس مرتبہ پر فائز ہو اور دور جدید کی گوناگوں تبدیلیوں اور علمی چیلنجز کا سامنا کر سکے۔ نتیجتاً جب طلبۂ مدارس فارغ ہوتے ہیں تو ان کے اذہان جمود و تعطل کا شکار اور ان کے نظریات بہت محدود ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ کسی بڑے معاشرہ میں دینی، سماجی اور روحانی انقلاب یا اصلاح کی تحریک کو کامیاب نہیں بنا پاتے۔

اخیر میں یہ بنیادی امر غور طلب ہے کہ درس نظامی یا دینی نصاب تعلیم میں اصلاح و ترمیم سے مقصود نفس دین میں کوئی تبدیلی یا اصلاح ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے اپنے دین کو معلم کائنات ﷺ کے آخری پیغام نبوت کے ساتھ ہی مکمل اور کامل و اکمل کر دیا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔'' دراصل آج ہمارے دینی مدارس میں ایسے مصلحین کی ضرورت ہے جو مذہب اسلام کے تئیں مسلمانوں کے موجودہ فرسودہ رویہ کی اصلاح کر سکیں اور عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لیے دین کے بنیادی اصول و تعلیمات کی تجدید و احیا کر سکیں۔ جب تک مدارس کے نصاب میں تجدید دین کی صحیح فہم اور بصیرت پیدا نہیں کی جائے گی، ہم ان کے ایک روشن مستقبل کی امید نہیں کر سکتے۔

دیوان عام

خدارا حج اور عمرہ کو ایک مذہبی پکنک نہ بنائیے

(ایک سے زیادہ بار حج اور عمرہ پر آنے والوں کے نام ایک کھلا خط)

علیم حسان فلکی، جدہ

میرے عزیز سادہ لوح تاجرو جو بار بار پورے خاندان کے ساتھ Star-5 حج یا عمرہ کرنے کو عبادت عظیم سمجھتے ہو، میرے قابل احترام عالمو، فاضلو، مرشدو جو نفل کو بھی فرض کا درجہ دے کر بار بار چلے آتے ہو، قوم کے چالاک امیرو جو زمینات پر ناجائز قبضوں سے یا دوسری ناجائز آمدنیوں سے عمرے پر عمرے کیے چلے جاتے ہو، میرے پیارے ابا جانو اور امی جانو جو اولاد کی محنت کی کمائی پر عبادت عظمی کا لطف اٹھاتے ہو، میری قوم کے سیاسی لیڈرو جو بار بار سیاسی عمرے اور حج کر کے اپنے ووٹروں کو اپنی خدا خوفی کا ثبوت دیتے ہو، سعودی عرب میں مقیم رفیقو جو بار بار حج کر کے نہ صرف قانون شکنی کرتے ہو بلکہ دوسروں کے لیے زحمت بن جاتے ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

پہلے اس واقعہ کو غور سے پڑھ لو، نقل ہے۔ بشیر بن عبدالحارث ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا ایک مرید ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "یا مولائی! میں نے پھر ایک بار حج کا قصد کیا ہے، کیا اجازت ہے؟ بزرگ نے پوچھا نیت کیا ہے؟ رضائے الٰہی یا دیدار کعبہ و مدینہ یا اظہار زہد و تقوی؟ مرید نے کچھ لمحے سوچا اور کہا حضور رضائے الٰہی اور کیا۔ بزرگ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں جس پر عمل کر کے حج پر گئے بغیر ایک تو تمہارا حج بھی ہو جائے، دوسرے یہ کہ اللہ تعالی تمہارا حج قبول بھی کر لے اور تیسرے یہ کہ تمہیں حج کرنے کی خوشی اور اطمینان بھی حاصل ہو جائے؟ مرید نے پوری فرمانبرداری سے کہا "حضور ضرور بتائیے" بزرگ نے فرمایا کہ اگر تم حج پر خرچ ہونے والی رقم کو ان مسکینوں اور ناداروں میں تقسیم کردو جو کثرت اولاد کی وجہ سے، قرض یا بیماری یا کسی اور وجہ سے محتاج ہیں یا کسی ایسے شخص کی مدد کرو جو صاحب نصاب نہیں لیکن تجارت کر کے صاحب نصاب بن سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بن سکتا ہے تو اس عمل سے نہ صرف تمہارا نفل حج بھی قبول ہو جائے گا بلکہ اللہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ مرید سوچ میں پڑ گیا اور بہت دیر بعد جھجکتے ہوئے بولا "حضور طبیعت حج کرنے پر مائل ہے" (یعنی اب موڈ بن چکا ہے)۔ بزرگ نے فرمایا شیطان انسان کے نفس پر نیکیوں ہی کے بہانے قابو پاتا ہے اور اس سے وہی اعمال کرواتا ہے جو اس کے نفس کو مرغوب ہوں" ذرا غور کیجئے آج ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں ساری دنیا میں ایک طرف مسلمان اخلاقی، سیاسی اور معاشی طور پر ذلیل تر ہوتا جا رہا ہے تو دوسری طرف مکہ اور مدینہ کو دوڑ دوڑ کر آنے والوں کی تعداد میں ہر سال لاکھوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ حرم شریف میں شب قدر کی دعا میں شریک ہونے کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے آنے والوں کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ پھر بھی کوئی دعا قبول ہوتی ہے نہ کسی مسلمان کے اخلاق یا کردار میں تبدیلی آتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لیے ہے کہ آج ہمارا ہر عمل وہ ہے جو ہمارے نفس کو مرغوب ہے۔ ایسا کوئی حکم جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہو لیکن اگر وہ ہمارے موڈ کے خلاف ہو، مزاج اور اصول سے میل نہ کھاتا ہو یا اسے ہماری عقل اور منطق تسلیم نہ کرتی ہو، تو ہم اس پر ہرگز عمل نہیں کرتے۔ نہ صرف اسے ٹال دیتے ہیں بلکہ ضمیر کی تسلی کیلئے کوئی نہ کوئی جواز بھی پیدا کر لیتے ہیں بلکہ فتوے بھی ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ پوچھئے کسی بے پردہ خاتون سے، کہے گی پردہ آنکھوں میں اور دل میں ہونا چاہیے۔ پوچھیے کسی بھی سمجھدار مسلمان سے دعوت و تبلیغ کی فرضیت کے بارے میں تو کہے گا پہلے آدمی کو خود باعمل ہونا چاہیے اس کے بعد دوسروں کو دعوت دینی چاہیے۔ پوچھئے کسی بھی جہیز کے عوض بکنے والے بھکاری بے غیرت مرد سے، کہے گا ہم نے ہرگز نہیں مانگا، لڑکی والوں نے سب کچھ اپنی خوشی سے دیا۔ پوچھئے سود اور رشوت کے نظام کا ساتھ دینے والوں سے۔ کہیں گے یہ تو سسٹم ہے۔ پوچھئے جھوٹ، غیبت، چغلی، بدگمانی،

حسد اور فریب کرنے والوں سے، کہیں گے دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے، ہم بری نیت سے کوئی کام نہیں کرتے۔ پوچھیے قطع رحمی یعنی رشتے داریاں کاٹنے والوں سے، کہیں گے اگر دوسرے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ ہر شخص یوں تو با عمل اور نمازی ہے لیکن ہر ایک نے اپنی پسند کی عبادت کو پکڑ رکھا ہے۔ کسی کو داڑھی پسند ہے تو کسی کو نماز، کسی کو نفلی عمرے یا حج کرنا، تو کسی کو خدمت خلق کا ادارہ کھولنا پسند ہے۔ لیکن جب وہ مرحلہ آتا ہے جس کا حکم سب سے پہلے ان کی ذات پر نافذ ہوتا ہے تو منہ موڑ جاتے ہیں اور بہانے بناتے ہیں۔ اسی فطرت کی عکاسی سورۃ حجرات میں یوں کی گئی ہے۔

ترجمہ: یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، ان سے کہہ دیجیے تم ایمان نہیں لائے تم یہ کہو کہ اسلام لائے ہو۔ ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا۔ اسلام لائے یعنی دوسرے جو لوگ کام کر رہے ہیں تم بھی کر رہے ہو۔ دوسرے نماز پڑھتے ہیں تم بھی پڑھتے ہو دوسرے زکوۃ، ختنہ، نکاح اور تدفین وغیرہ کے اسلامی اصولوں پر چلتے ہیں، تم بھی چلتے ہو تاکہ مسلمان سوسائٹی میں تمہارا بھی شمار کیا جائے۔ لیکن ایمان لانا الگ چیز ہے جو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا، صرف زبانوں پر ہے۔ اسی لیے جب اصل امتحان کا وقت آتا ہے تو تم دوسری عبادتوں کو پیش کر کے اپنے ضمیر کی تسلی کرنا چاہتے ہو جو دراصل شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرنا ہے۔ ایک کمانے والے سے حلال کمائی کا سوال پہلے ہوگا بعد میں نمازوں کا۔ ایک دولہے یا دولہے کے ماں باپ سے جوڑا جہیز اور غیر اسلامی رسومات کا سوال پہلے ہوگا روزوں اور زکوۃ کا بعد میں۔ اسی طرح ایک استطاعت رکھنے والے سے نفل عمروں اور نفل حج کا سوال بعد میں ہوگا پہلے انفاق کا۔ لوگ حدیث کو تو یاد رکھتے ہیں کہ ایک حج سے دوسرے حج کے درمیان اور ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ کے درمیان تمام صغیرہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا لیکن اس حدیث کو بھول جاتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا جواب دیئے بغیر قیامت کے دن کوئی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے گا (چاہے اس کے ساتھ دوسری عبادتوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں) ۱۔ وقت ۲۔ جوانی کی صلاحیتیں؟ ۳۔ مال آیا کہاں سے ۴۔ مال خرچ کہاں اور کس طرح ہوا؟ ۵۔ علم حاصل کرنے اور پھیلانے کی کتنی جستجو کی۔ کیوں ایسا ہوتا ہے کہ بار بار حج اور عمرہ پر ٹریولنگ ایجنٹ کو لاکھوں روپے دیتے وقت کوئی دکھ نہیں ہوتا لیکن ایک ضرورت مند سامنے آجائے یا امت کی فلاح کے لیے کوئی اپیل کر دے تو طبیعت پر ناگواری طاری ہو جاتی ہے۔ ایک دو ہزار جیب سے نکالتے بھی ہیں تو دلی تکلیف ہوتی ہے۔ انہیں جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ مانگنے والا ان کا بعد میں احسان مند اور ممنون و مشکور رہے گا تو دس روپے بھی نہیں دیتے۔ دیتے بھی ہیں تو اس طرح کہ مانگنے والا اگر ان کو حساب پیش نہ کرے تو آئندہ اسے نہیں دیتے اور بدنام کر دیتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ نفس کو حج و عمرہ مرغوب ہے۔ مرغوب عبادت میں مزا بھی آتا ہے جو پیسہ یا وقت اپنی ذات پر خرچ ہو ایسی عبادت اچھی لگتی ہے۔ انفاق یعنی اللہ کی راہ میں دوسروں پر خرچ کرنے سے اپنے مال میں کمی ہو جانے کا خوف ستاتا ہے۔ اس لیے کسی کی مدد کرنے کے سوال پر وہی کہہ اٹھتے ہیں جو مشرکین و منافقین کہہ اٹھتے تھے، ''**ویسئلونک ماذا ینفقون**'' (سورۃ بقرہ) ترجمہ ''وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم آخر کتنا خرچ کریں'' ڈھائی فیصد زکوۃ و خیرات تو ہم کرتے ہی ہیں اور کیا کریں؟ آگے جواب میں کہا گیا ''**قل العفوا**'' ترجمہ ''ان سے کہہ دیجیے سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیجیے سوائے اس کے جو آج کے کھانے کی یا پہننے کی ضرورت کا ہے'' یہی ہے زکوۃ اور انفاق کا اصول۔ حضرت عمر کا قول یاد رہے ''ڈھائی فیصد کا حساب تو منافق کرتے ہیں'' یعنی منافق دکھانے کے لیے نماز پڑھتے، زکوۃ دیتے اور روزہ بھی رکھتے ہیں تاکہ ان پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ مومن کے لیے ڈھائی فیصد یا پانچ فیصد کا سوال ہی کیا۔ جب ضرورت مند سامنے آجائے یا کسی غیرت مند محتاج کی خبر اسے مل جائے تو وہ اپنے پاس جو بھی ہے وہ اللہ تعالی کی طرف سے اس شخص کی امانت سمجھ کر فوری خرچ کر ڈالتا ہے۔ ڈھائی فیصد یا پانچ فیصد کا سوال نہیں کرتا۔ یہ انتظار بھی نہیں کرتا کہ کوئی آئے اور اس سے مانگے اور نہ یہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے مال پر سال پورا گزر رہا ہے یا نہیں۔ وہ خود اپنا فریضہ سمجھ کر اپنے خاندان اور اپنے قرابت داروں میں تلاش کرتا ہے کہ کون محتاج ہے اور کون بیمار، کون بیوہ ہے اور کون بچہ تعلیم یا روزگار سے محروم ہے، کون سا باپ اپنی بیٹی کی شادی کے لیے پریشان ہے اور کون حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت پر قائم رہتے ہوئے بغیر جوڑا یا جہیز کے مردانہ خودداری کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے لیکن مالی طور پر مجبور ہے۔

دیوان عام

نظریں بدل گئیں تو نظارے بدل گئے

مفتی محمد مقصود حسین فرحت ضیائی، ہاسپیٹ کرناٹک

ایک دوست نے کہا آپ تنقیدی مضمون لکھتے ہیں اصلاحی گوشے پر دھیان دیجئے۔ جواباً کہا گیا کہ دیکھنے کا انداز بدل لیجئے۔ اصلاح کی خوشبو سے مشام جاں معطر اور وادیٔ محبت مرغ زار نظر آئے گا، تاج محل حسین ہے نفرت سے اس کا معائنہ کیجئے تو کوئی خوبصورتی دکھائی نہیں دے گی۔ اسلام امن پسند مذہب ہے مگر اغیار کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ آج رام راج کا نعرہ لگانے والے دہشت گردی کی آلودگیوں سے ملوث، حرام کاری کے خوگر، فتنہ و فساد کے محور، جنگ و جدال کے پیکر، اسلام کا رشتہ ناطہ دہشت گردی و ٹیررزم سے جوڑ رہے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ دیکھنے کا تیور بدلا ہوا ہے۔ تیرتھ ہلی کے واقعہ ہی کو لے لیجئے لڑکی نے خودکشی کی۔ لیکن دیکھنے والوں نے دوسرے نہج سے دیکھا۔ عصمت دری کا ایشو بنایا۔ اس کو لو جہاد کا نام دیا۔ مرنے والی کے دامن پر بدکاری کا کیچڑ اچھال کر ہندوستان کا سر پورے جہان میں شرم سے جھکا دیا انہیں احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ ہمارے دھرم کی بیٹی اور ہندوستان کی ناری و عزت ہے چونکہ اس نے دیکھنے کا زاویہ بدل لیا اس لیے اس کو یہ سب کچھ دکھائی نہیں دیا۔

لو جہاد اور اسلام:

لو جہاد پر ہی غور کیجئے اور اسلام کے اسکالروں سے پوچھئے کہ کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے تو وہ کہے گا کہ یہ تو سراسر اسلام کے منافی ہے کسی اجنبیہ سے لو[عشق] کرنا جو فعل اختیاری ہے وہ حرام ہے چاہے وہ عورت کسی دھرم سے تعلق رکھتی ہو کسی غیر محرم عورت سے جماع کی حد تک پہنچنا زنا ہے اور اس کی سزا کنواروں کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لیے سنگساری ہے۔ ایک معاشرے اور ایک ماحول میں رہنے کی وجہ سے لوکا ہو جانا ایک فطری امر ہے، جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اسلام میں پردے اور ملنے جلنے سے احتراز کا حکم ہے۔ جس کے خلاف بھی اصل میں خطا والے انگشت نمایاں کرتے رہتے ہیں۔ دیکھئے کرشن جی کا لو[عشق] رادھا سے مشہور ہے جس کا ذکر ان کی کتاب میں موجود ہے تو کیا اس کو بھی لو جہاد کا نام دیا جائے گا۔ کرشن جی کے تذکرے میں آتا ہے کہ وہ اسنان کرنے[نہانے] والی عورتوں کے کپڑے اُٹھا کر درخت پر چڑھ گئے تھے تو کیا اس کو بھی لو جہاد کا نام دیا جائے گا؟ راون نے سیتا جی کا اغوا کر لیا کیا اس کو بھی لو جہاد کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں جب وہاں نہیں تو یہاں کیوں؟ کہنا پڑے گا دیکھنے کا طریقہ الگ ہو چکا ہے موجودہ دور میں ہی دیکھ لیجئے آدتیا نندا کے معاملات کو لو جہاد کا نام نہیں دیا گیا، آسارام کو لو جہاد کا مورد نہیں گردانا گیا۔ چندرا سوامی نے اس فعل کا ارتکاب کیا اس کو کسی نے لو جہاد سے تعبیر نہیں کیا، راگو پشور جی کا معاملہ چل رہا ہے اس کو لو جہاد کیوں نہیں کہا جا رہا ہے؟ ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے فلمی ایکٹر عامر خان دوسرے مذہب کی لڑکی کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے، اس کو لو جہاد کا نام نہیں دیا جا رہا ہے۔ شارخ خان نے بھی ایسا ہی کیا ہے، کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ نے بھی ایسا ہی کر رکھا ہے۔ ان چیزوں کو لو جہاد کہہ کر کیوں نہیں اچھالا جا رہا ہے؟

ہر دھرم کے لوگ اس کے مرتکب ہیں مگر اسلام کے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا جا رہا ہے۔ بولنا پڑے گا کہ دیکھنے کا اُصول منفرد ہے۔ کعبہ کے اوپر رام جی کو تیر کمان لے کر چڑھا دیا گیا، جب کسی نے اس کے خلاف اپنا جمہوری حق مانگا اور اس شیطان کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو ہبلی صوبہ کرناٹک میں دفعہ 144 کو لاگو کر دیا گیا۔ فتنہ پرور کو شکنجے میں لینے کے بجائے مظلوم ہی کو اپنا شکار بنانا شروع کر دیا وجہ وہی ہے کہ دیکھنے کا ڈھنگ جداگانہ ہے۔ کچھ دنوں قبل بھٹکل کے قریب بلوائیوں نے دنگا فساد برپا کیا مسجد کو بھی نشانہ بنایا مگر وہ آزاد رہے جس نے اپنی جان و مال عزت و آبرو کا بچاؤ کیا اس پر ہی مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے اس مقام پر بھی سبب وہی ہے کہ دیکھنے کی روش بدل گئی ہے۔ بی

بے جے پی کی مہیلا [خاتون] لیڈر نے بانگ دھل اعلان کیا کہ حکومت کے منصب پر" رام زادے براجمان ہونگے حرام زادے نہیں" اگرچہ ہنگامے کے بعد پارلیمنٹ میں اس نے معافی مانگ لی۔ ذرا سوچیں کہ بات کہاں سے کہاں تک جاتی ہے سوسال پرانا خواب شرمندۂ تعبیر کے مرحلے کا اعلان ہے شاید خواب، خواب ہی رہ جائے گا اس نے حالیہ طرز عمل کو دیکھتے ہوئے ایسا کہا کیوں کہ دیکھنے کا اسلوب بدلہ ہوا ہے۔

مدارس پر نشانہ:

مدارس جو امن وشانتی کا گہوارہ ہیں جہاں محبت واخوت کے جام چھلکائے جاتے ہیں، انسان کو آدمیت وانسانیت کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے، ساری برائیوں سے پوتر کر کے طہارت و پاکیزگی کا مجسمہ بنایا جاتا ہے ایسے مراکز حسن و جمال اور محاسن وکمال کو دہشت گردی کا اڈہ بتایا جارہا ہے۔ ایسا کہنے والے کون لوگ ہیں؟ جو کبھی لاڈج سے دھوتی کھول کر راہ فرار اختیار کرتے ہیں تو کبھی رخ لالہ پر شیطانیت کا کالا کالک پتواتے ہیں اس کے باوجود انگلیاں اسلام کی جانب اٹھاتے ہیں اس کی بنیاد بھی وہی ہے کہ ان کے دیکھنے کا شعور دیگر ہے۔

محدث بریلوی کے بارے میں کسی نے لکھ دیا کہ وہ بریلوی مکتبۂ فکر کے بانی ہیں۔ ناشر سے سوال کیا کہ بھائی محدث بریلوی کی تحریرات کا وافر مقدار میں مَیں نے مطالعہ کیا ہے۔ لیکن اسلام کی فکر کے سوا وہاں کچھ بھی نہیں پایا کس فکر کی انہوں نے بنیاد رکھی کہ ان کو بانی کہا جارہا ہے۔ بریلوی فکر درحقیقت اسلامی فکر ہے۔ اسلامی فکر کی جدید تعبیر کا ہی نام بریلویت یا بریلوی مکتبۂ فکر ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں اور اگر دیکھا جائے تو ظہور اسلام کے اعتبار سے اس فکر کے بانی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں محدث بریلوی نہیں۔ لکھنے والوں نے پھر ایسا کیوں لکھا؟ تو جواب وہی ہوگا کہ نگاہیں متغیر ہیں۔

بے شمار تحریکات، بے انتہا تنظیمیں، ان گنت کمیٹیاں وجود میں ہیں جو اصلاح معاشرہ کے نام پر کام کر رہی ہیں، تبلیغی اُمور پر پوری دنیا میں کام کیے جارہے ہیں اسلامی مملکت کی ساری مساجد سے برائیوں کے نقصانات پر خطاب کیا جارہا ہے الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیم وتعلم، تہذیب وتمدن اور اخلاقیات کے درس کا سلسلہ جاری ہے۔ روزانہ اہلِ قلم، اربابِ صحافت اور مضمون نگار معاشرے کی زبوں حالی پر خامہ فرسائی کرتے چلے آرہے ہیں اور ظلمت وضلالت کے بھنور سے سماج کو اوپر لانے کے لیے ہر فرد و بشر کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ گانا حرام، ناچ حرام، لہو ولعب حرام، سودخوری حرام، زنا کاری حرام مقررین سارے جہان میں بیان کر رہے ہیں جھوٹ، چغلی، غیبت، رشوت، دھوکہ، عیاری، ریاکاری، اور دکھاوا سے پرہیز کرنے کا سبق پڑھایا جارہا ہے۔ بے حیائی، بدتہذیبی، بد کلامی، قتل وغارت گری، افتراق وانتشار اور عداوت و بغاوت سے اجتناب کی تلقین کی جارہی ہے۔

المختصر بالکلیہ تمام برائیوں اور نواہی سے احتراز اور تمام اچھائیوں اور اوامر پر استقامت واستمرار کا وہ حکم جو رب نے دیا ہے اس کو بیان کیا جارہا ہے، اس کے باوجود بھی اسلامی معاشرہ دن بدن انحطاط وتنزلی، تباہی وبربادی اور ہلاکت خیزی کی جانب بڑی سرعت و تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا جارہا ہے۔ برائیاں آسمان کو چھورہی ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہورہا ہے؟ تو یہاں بھی ہر چہار سمت سے وہی آواز آئے گی کہ لوگوں کے زاویۂ فکر ونظر میں تبدیلی آچکی ہے۔ سوچنے کا معیار بدل چکا ہے۔ اسلام کو اپنے مزاج وطبیعت کی روشنی میں دیکھ رہا ہے۔ اسلامی آئینے میں اپنی طبیعت ومزاج کا معائنہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جب تک ہر فرد و بشر بذات خود اپنی نگاہوں کا تیور اسلام کے مطابق درست نہیں کرلیتا خود کو ضیائے اسلامی میں دیکھنا شروع نہیں کردیتا، صحیح وغلط کے کھوج لگانے کی نظر پیدا نہیں کرلیتا اس وقت تک دوسروں کی جانب انگلیاں اٹھتی رہیں گی، طرح طرح کے سوالات اٹھتے رہیں گے، ہر ایک کی بات دوسروں کے اندر تلخیاں پیدا کرتی رہیں گی اور اصلاحی مضامین بھی تنقیدی، تفریقی اور تشددی مضامین کا خار مغیلاں بن کر آنکھوں میں چبھتا ہی رہے گا یہ سب ہنگامے نگاہوں کے بدلنے اور دیکھنے کے صحیح معیار سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہے اس لیے تو کسی قائل نے خوب کہا ہے۔ ؏

نظریں بدل گئیں تو نظارہ بدل گیا

kkk

سلوک و تصوف

تصوف اور اکیسویں صدی کے صوفیہ

غلام مصطفیٰ نعیمی، مدیر اعلیٰ سوادِ اعظم

حضور سید عالم ﷺ کی مبارک زندگی ہمارے لیے نمونہ عمل ہے۔ جب ہم حضور کائنات ﷺ کی پیاری زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں آپ کی حیات مبارکہ کے دو روشن پہلو نظر آتے ہیں۔ سرکار دو عالم کی سیرت طیبہ کا ایک پہلو تو ظاہری اُمور میں نظر آتا ہے۔ مثلاً عبادت و ریاضت، تلاوت و تسبیح، ذکر و اذکار، احکام شرعیہ کا نفاذ، جنگوں میں شرکت اور اُمورِ خانہ داری کی انجام دہی وغیرہ۔ علمائے کرام کی مختلف جماعتوں نے ان تمام امور کو مدوّن کیا کسی نے علم حدیث کی روایات کی تدوین کی، کسی نے فقہ کو اختیار کر احکام و مسائل کا استخراج کیا۔ اس طرح ان علما فقہا اور محدثین نے دین کی ظاہری شکل و صورت کو اس طرح محفوظ کیا کہ امت کے لیے دین پر عمل کرنا بہت آسان ہو گیا۔

سرکار مدینہ علیہ السلام کی مبارک زندگی کا دوسرا روشن پہلو وہ ہے جو باطنی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے، ان کیفیات کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً اخلاص، صبر و توکل، زہد و استغنا، ایثار و سخاوت، ادب و حیا، دنیا سے بے رغبتی، عقبیٰ کی فکر، رضائے مولیٰ کی جستجو اور رضائے الٰہی کے لیے تمام مشقتیں اٹھانے کا عزم، یہ تمام وہ کیفیات ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے۔ جیسا کہ ایک انسان کا تعلق جسم و روح سے ہے تو جسم ظاہر کے لیے فقہ ظاہر ہے اور روح کے لیے فقہ باطن ہے اسی فقہ باطن کو تصوف کے نام سے جانا جاتا ہے۔

تصوف کسی دور میں بھی ناقابلِ عمل نہیں رہا اور اس کی تعلیمات کبھی فرسودہ نہیں ہوئیں۔ انسانیت ہمیشہ تصوف کے فیضان سے مالا مال رہی اور صوفیائے کرام نے ہر دور میں انسانیت کو اپنا مطمحِ نظر بنا کر خدمت خلق جاری رکھی، جس کی بنیاد پر ہمیشہ ہی اہلِ تصوف لوگوں کی نگاہ میں قابلِ تکریم اور لائق تعظیم رہے۔ لیکن آج کے اس دور میں تصوف کی تعلیمات کا احیا اور اس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ شدید ہو گئی ہے کیونکہ آج کے اس دور پر فتن میں اسلام کی ذات پر یہ کہہ کر حملے کیے جا رہے ہیں کہ اسلام امن و اخوت، محبت و مودت اور ہم آہنگی و بھائی چارگی سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتا۔ اسلام کے نام پر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، اسلام کو ایک جنگجو مذہب کے نام سے بدنام کرنے کی سازشیں رچی جا رہی ہیں جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے، اسلام نے ہمیشہ ہی امن و امان اور رواداری کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے اور ہر محاذ پر انسانیت کے وقار کو بلند رکھا ہے۔

تصوف کیا ہے؟

امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنی کتاب ''مقال عرفا باعزاز شرع و علما'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ فرماتے ہیں: **التصوف انما هو زبدة عمل العبد باحكام الشريعة**۔ تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۴)

سیدی ابو عبد اللہ محمد بن خفیف ضبی قدس سرہ فرماتے ہیں:

التصوف تصفية القلوب و اتباع النبي صلى الله عليه وسلم في الشريعة۔ تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کی جائے۔ (ایضاً، ۱۸۲)

تصوف طریقت کا دوسرا نام ہے، اور طریقت اس راستے کو کہتے ہیں جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچ جائے اور اپنے رب کا قرب حاصل کر لے۔ رب کا قرب حاصل کرنا ہی انسانیت کی معراج اور اس کا سب سے بڑا مقام و مرتبہ ہے۔

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں:

"**اقرب الطرق الى الله تعالىٰ لزوم قانون العبودية والامساك بعروة الشريعة**"۔ اللہ عزوجل کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔ (بہجۃ الاسرار ۵۰)

جو بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے پھر وہ اللہ کی مخلوق کی خدمت میں لگ جاتا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اللہ کریم کے

بندگان خاص میں شامل کرادے۔

کسی بندے کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی اور احسان یہ ہے کہ آپ اسے رب کے راستے کا پتہ بتائیں اور اسے راستے کے تمام خطرات سے بچاتے ہوئے منزل مقصود تک رہنمائی کریں، یہ کسی انسان پر سب سے بڑا احسان ہوتا ہے اسی کا حکم قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے یہ کہہ کر دیا ہے: وَأَحسِنوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ المُحسِنِينَ. اور بھلائی والے ہوجائے بیشک بھلائی والے اللہ کو محبوب ہیں۔(سورۃ البقرہ:195)

اتباع رسول ہی اصل تصوف ہے:

رب کی قربت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے راستے پر چلا جائے لیکن یہ راستہ معلوم کس طرح ہو اور چلائے کون؟ یہ امر بہت ضروری ہے کیوں کہ جب تک کسی راستے کا علم نہ ہو اور راستے کی رکاوٹوں اور اس راہ میں آنے والی دشواریوں کا اندازہ نہ ہو، تب تک اس راہ کا راہی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ راہ کے خطرات میں گھر کر کہیں نہ کہیں وہ اپنی منزل سے بھٹک جائے گا اور مقصود ومدعا سے محروم رہے گا۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ رسالہ مبارکہ قشیریہ میں سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا فرمان نقل کرتے ہیں:

مَن ألزَمَ نفسه آداب الشريعة نوّر الله قلبه بنور المعرفة ولا مقامَ أشرف من مقامِ مُتابعةِ الحبيبِ في أوامره وأفعاله وأخلاقه. جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کر لے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردیگا اور کوئی مقام اِس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی ﷺ کے احکام، افعال اور عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔(مقال عرفا باعزاز شرع وعلما،ص20)

اس فرمانِ والا شان سے معلوم ہوا کہ نور معرفت کی ضیا کے لیے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی پیروی ضروری ہے بغیر اس کے ساری محنتیں اکارت جائیں گی اور سالک کو کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ جو بھی طالب حق ہے اور قرب خدا کا متمنی ہے اسے پیغمبر اعظم ﷺ کی نقش قدم کی پیروی لازم ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ع

خلاف پیمبر کسے راہ گزید : کہ ہرگز نخواہد بمنزل رسید۔

یعنی کوئی بھی پیغمبر اعظم ﷺ کے راستے کے خلاف چلے وہ ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا۔

شریعت ہی اصل دین ہے:

بعض لوگ شریعت وطریقت میں غیر ضروری موازنہ اور مقابلہ کرتے ہیں اور شریعت غرا کو طریقت کے مقابل کمتر ٹھہرانے کی شعوری ولاشعوری کوششیں بھی کرتے ہیں۔ جدید دور کے داعیانِ تصوف خصوصاً ایسی حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور اہل شریعت کو "مولوی" کہہ کر تمسخر اڑانے سے بھی باز نہیں آتے۔ خود کو صاحبانِ تصوف کہہ کر طریقت کے یہ "شہ سوار" شریعت کو ہلکا گردانتے ہیں جبکہ شریعت اصل دین ہے اور طریقت صرف اس کا ایک جز ہے، لیکن آج "جدید صوفیہ" جز کو کل پر فوقیت دینے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

لیکن یہ کوشش ملت کے حق میں قطعاً مفید نہیں ہے کیوں کہ شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع جیسا کہ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت کی مثال اس سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انہیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت۔ مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔"(مقال عرفا:ص۵)

شریعت مطہرہ ہی مطلوب مومن ہے اور باقی چیزیں ضمنی ہیں۔ اگر بندۂ خدا شریعت پر عمل پیرا ہے تو طریقت کی راہ اس کے لیے آسان ہے لیکن کسی کو شریعت سے کوئی سروکار نہیں تو اس کا نام نہاد تصوف کسی مطلب کا نہیں ہے، کیوں کہ بغیر شریعت کے تصوف ایسا ہے جیسا بغیر درخت کے پھل۔ یعنی جس طرح بغیر درخت پھل نہیں آسکتا اسی طرح بغیر شریعت کے طریقت نہیں مل سکتی۔ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"الشريعة المطهرة المحمدية ثمرة الملة الاسلامية شمس اضاءت بنورها ظلمة الكون اتباع شرع ليعطي سعادة الدارين احذر ان تخرج من دائرة اياك اجماع اهله۔ شریعت پاکیزۂ محمدی ﷺ درخت دین اسلام کا پھل ہے۔

شریعت وہ آفتاب ہے جس کی چمک سے تمام جہان کی اندھیریاں جگمگا اٹھیں۔ شرع کی پیروی دو جہان کی سعادتیں بخشتی ہے خبردار! اس کے دائرہ سے باہر نہ جانا، خبردار! اہل شریعت کی جماعت سے جدا نہ ہونا۔ (بہجہ مبارک، ص۴۹، مقال عرفا:۱۶)

دوسرے مقام پر حضور سیدنا غوث اعظم یوں ارشاد فرماتے ہیں:

تفقه ثم اعتزل من عبد الله بغير علم كان مايفسده اكثر مايصلحه خذ معك مصباح شرع ربك۔ فقہ حاصل کر اس کے بعد خلوت نشیں ہو جو بغیر علم کے خدا کی عبادت کرے گا وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا ان پہ شریعت الٰہیہ کی شمع لے لے۔ (بہجہ مبارک: ۵۳، مقال عرفا:۱۶)

ان اقوال کی روشنی میں جدید داعیانِ تصوف اپنا جائزہ لیں جو اپنے ''تصوف'' پر حد درجہ کبر و نخوت اور احساس برتری کے ساتھ علمائے دین کو حقیر جانتے ہیں، جب کہ ان داعیانِ تصوف کی اکثریت علم شرع سے ناخواندہ بلکہ اعلیٰ درجے کی غافل ہے لیکن تعلّی کا یہ عالم کہ علما کو برسرِ عام ہدف تنقید بنانا ان ''متصوفین'' کا محبوب مشغلہ ہے۔

جدید داعیانِ تصوف کے کارنامے:

تصوف جس نے ہر دور میں اسلامی تعلیمات کو پروان چڑھا کر اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جہاں پر اہل اسلام کی تلواریں کند ہو گئیں وہاں صوفیہ کی رواداری اور حسنِ اخلاق نے اسلام کو سہارا دیا۔ جہاں سلاطین وقت نے سروں کو جھکا کر اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں صوفیہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں لوگوں کو دلوں کو بارگاہِ مولیٰ میں جھکا کر انہیں سچے رب کی بندگی سکھائی۔ لیکن آج تصوف کے نام پر کچھ ایسے افکار و خیالات کو عام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جن کا حقیقی تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ آیئے موجودہ دور کے ''ادعائی صوفیہ'' کے افکار و خیالات اور ان کے کارناموں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پرکھتے ہیں کہ ان میں رنگِ تصوف کتنا ہے اور غیروں کے خیالات کی آمیزش کتنی ہے؟

ادعائی صوفیہ کا کردار و عمل:

جدید داعیانِ تصوف کا طرزِ عمل اس سیاسی پارٹی کی طرح ہے جو ہمہ وقت حب الوطنی کا نعرہ تو لگاتی ہے مگر کام وطن کی اتحاد و سالمیت کے خلاف کرتی ہے۔ یہی حال ان ادعائی صوفیہ کا ہو گیا ہے کہ وہ نعرۂ تصوف تو ضرور بلند کرتے ہیں مگر عملی طور پر تصوف سے میلوں دور تک نظر نہیں آتے۔

تصوف کے باغ کو اپنی بے لوث قربانیوں سے لالہ زار کرنے والے مقدس صوفیہ کرام کا نام لینے والے ''داعیانِ تصوف'' کے کردار و عمل کی چند تصویریں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جدید داعیانِ تصوف کے ارد گرد عموماً امرا و حکام کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ جب کہ صوفیائے کرام عموماً سماج کے غربا کے درمیان نظر آتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ امرا و حکام کو شرف باریابی دینا مطلقاً منع ہے مگر امرا کی آمد و رفت بلا روک ٹوک ہو اور غربا دور دور تک نظر نہ آئیں یہ کہاں کا تصوف ہے اور کہاں کی انسانیت پروری؟ تصوف تو گرتے ہوئے افراد کا ہی سہارا بنتا ہے، تصوف ہی ٹوٹے دلوں کو امید بندھاتا ہے اگر داعیانِ تصوف یکسر ہی غربا سے دوری اختیار کر لیں گے تو یہ کدھر جائیں گے؟

(۲) جدید داعیانِ تصوف کی ظاہری زندگی اتنی پرتعیش اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹ والی نظر آتی ہے جسے دیکھ کر دنیا پرست شہنشاہوں اور نوابوں کی زندگی کے قصے یاد آنے لگتے ہیں۔ داعیانِ تصوف ذرا سی دھوپ میں چلنا برداشت نہیں کر پاتے، ان کا لباس، بہت سے امیروں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دے، جن کے عالیشان گھروں کو دیکھ کر شاہوں کے شیش محل یاد آنے لگیں، جن کا کھانا دیکھ کر بڑے بڑے زمین دار خود کو حقیر سمجھنے لگیں آخر اس پرتعیش زندگی کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کا تصوف سے بھی کوئی علاقہ و رشتہ ہو سکتا ہے؟ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ بعض صوفیہ نے ضرور اعلیٰ قسم کے لباس زیب تن فرمائے، عمدہ کھانے بھی تناول فرمائے، خوش پوشا کی بھی ان کی زندگی میں شامل تھی مگر باوجود اس کے ان کی زندگی بہت سادہ تھی۔ انہوں نے اچھے کھانوں میں ہمیشہ غریبوں کو شامل رکھا، ان کی خوش پوشا کی صرف نعمت ربی کا شکریہ ہوتی اور اس کے بعد وہ کسی غریب کو عطیہ کر دیتے ان کا ایک ایک عمل اتباع شریعت کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ آج اگر داعیانِ تصوف کے ساتھ کسی کو ہم طعامی کا شرف ملتا ہے تو کسی غریب سادہ مسلمان کو نہیں ملتا بلکہ امیروں اور دولت مندوں کو ملتا ہے۔ غریب اس امید میں جیتا ہے کسی دن اس کے گھر شیخ قدم رنجہ ہوں، مگر شیخ ہمیشہ عالیشان کوٹھیوں میں ہی

رہنے کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔

(۳) جماعت صوفیہ کی زندگی کا مطالعہ ہر قدم یہ بتاتا ہے کہ شریعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ الثنا سب سے مقدم و افضل ہے اس کو چھوڑ کر ایک قدم بھی نہیں چلا جاسکتا مگر! موجودہ داعیانِ تصوف کو دیکھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ انہیں شریعت سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے۔ عورتوں سے آزادانہ اختلاط، ناچ رنگ کی محفلوں میں شرکت، فساق وفجار کی صحبت، اپنوں سے مخاصمت، غیروں سے اپنائیت، دینی بھائیوں سے ترش روئی سے ملنا جب کہ آقائے کریم علیہ السلام کا فرمان عالیشان کہ مومن سے خوش روئی [مسکراتے چہرے کے ساتھ] ملنا صدقہ ہے مگر اپنوں سے ترش روئی ہوتی ہے اور مشرکوں سے خوش روئی کے ساتھ ملا جاتا ہے۔

(۴) محض ذاتی مفاد کی خاطر آپس میں ناچاکیاں کرنا، سلام وکلام بند کرلینا۔ حالانکہ استغنا وتوکل تصوف کا زیور ہے جس کے اندر استغنا نہیں وہ کیسا صوفی؟ جو توکل سے عاری ہو وہ کس چیز کا صوفی؟ دنیوی عہدے و جائداد کے لیے سلام وکلام بند کرلینا اور اسی بنیاد پر الگ الگ ٹولیاں بنا کر طوائف الملوکی کا مظاہرہ کرنا سب کچھ ہوسکتا ہے مگر تصوف ہرگز نہیں ہوسکتا۔

تصوف خدمت خلق اور انصاف دلانے کا نام ہے:

تصوف تو سسکتی ہوئی انسانیت کی آخری امید ہے، تصوف تو مظلوموں کا ساتھی ہے، تصوف ناانصافی کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ یہ تصوف ہی ہے کہ ایک کسان کی حکومت کے ذریعے ضبط شدہ فصل دلانے کے لیے سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ اجمیر سے دہلی تک پیدل تشریف لاتے ہیں۔ نہ دھول کی پرواہ، نہ دھوپ کی تمازت کا احساس، نہ سواری کی فکر اور نہ آرام کا خیال۔ دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی عرض کرتے ہیں "حضور کسی کے ہاتھ خبر بھیج دیتے تو بھی یہ کام ہوجاتا" اس بات کو سن کر غریب نواز نے فرمایا "کام تو ہوجاتا مگر کسی کے دکھ میں شامل ہونا بھی تو حضور سید عالم ﷺ کی سنت ہے اس سے تو محروم رہتا۔"

یہ ہے تصوف کا روشن اور اجلا چہرہ کہ ایک کسان کے لیے سلطان الہند اجمیر سے دہلی آتے ہیں اور آج کے ادعائی صوفیہ کسی غریب کے لیے اجمیر سے دہلی کیا آئیں گے اپنی آرام گاہ سے باہر تک نہیں آسکتے۔

دعویٰ ہمیشہ دلیل کا محتاج ہوتا ہے محض دعویٰ تصوف سے کوئی صوفی نہیں ہوجاتا اس کے لیے دلیل درکار ہے اور دلیل صوفیہ کا کردار وعمل ہے، نہ کہ تصوف پر کوئی کتاب لکھ دینا یا کوئی سیمینار منعقد کرادینا یا کسی جلسے میں تصوف پر لیکچر دینا۔ حسیناؤں کے جھرمٹ میں رہ کر سیلفیاں لینے والے، غیر مسلموں سے بغل گیر ہوکر ان کو بوسہ دینے والے اور اسلام کی پرواہ کیے بغیر آزادانہ زندگی گزارنے والے ہرگز ہرگز صوفی نہیں ہوسکتے اگر ایسے لوگوں کو صوفی کہا جارہا ہے تو ان کے بارے صرف یہی کہا جاسکتا ہے:

کار شیطاں می کند نامش ولی — گر ایں ولی است لعنت بر ولی

تصوف نے ہر دور میں عشق و محبت، الفت وانسیت، تکریم آدمیت، اشاعت اسلام اور فلاح انسانیت کے کام انجام دیے ہیں اور آج بھی کوئی تصوف کا نام لیکر اس کے رخ روشن کی تابندگی نہیں چھین سکتا، تصوف نے بھی کل بھی ایسے مدعیانِ تصوف کو دیکھا ہے جنہوں نے تصوف کے نام پر دنیا کمانے کی کوشش کی، کمائی بھی مگر آخر نا کام ونامراد ہوئے اسی طرح آج بھی جو افراد غیروں کے آلہ کار بن کر تصوف کو اور حقیقتاً خود کو بدنام کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں وہ زمانے کے لیے ایک بھولی بسری یادگار بن جائیں گے اور تصوف چودہویں کے چاند کی طرح کل بھی چمک رہا تھا آج بھی یہ چمک باقی ہے اور آئندہ بھی آسمان شریعت سے ہلال تصوف چمک لٹاتا رہے گا۔

مکتبۂ نعیمیہ کے زیر اہتمام کتابوں کی اشاعت و ترسیل کے لیے
رضا پبلشنگ ہاؤس
کا قیام عمل میں آچکا ہے۔
رابطہ کیجیے:
Raza Publishing House
423، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶
فون: 011-23251926/ M: 9810044258

اسلاف شناسی

تفسیر نعیمی۔ اردو میں ۱۸ پاروں کی مکمل تفسیر

محمد ظفرالدین برکاتی ★ ایڈیٹر کنزالایمان، دہلی

برصغیر ہند و پاک میں اردو زبان میں باضابطہ قرآنی ترجمہ و تفسیر، حواشی اور جزوی تراجم و تفاسیر کی ابتدا سولہویں صدی عیسوی / دسویں صدی ہجری کی آخری دہائی سے ہوتی ہے۔ ابتدائی اردو تراجم میں (عربی و فارسی ملی زبان کے ساتھ) اردو ترجمہ قاضی محمد معظم علی سنبھلی کا ترجمۂ قرآن ہے جس کی تکمیل 1131ھ مطابق 1719 میں ہوئی اور پہلے اردو تفسیر نگار بھی اسی دیار کے شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی ہیں جن کی پارۂ عم کی تفسیر ''خدائی نعمت'' معرف بہ ''تفسیر مرادی'' 1184-85ھ میں مکمل ہوئی۔ ا۔

تفسیر مرادی کے بیس سال بعد 1790 میں حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اردو ترجمۂ قرآن مع حواشی ''موضح القرآن'' منظر عام پر آیا، یہ ترجمہ و حاشیہ خالص اردو زبان کا ترجمہ و تفسیر ہے۔اس کے بعد سے اردو زبان میں قرآن حکیم کا مستقل اور باضابطہ ترجمہ، حاشیہ اور تفسیر لکھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تاہم برصغیر میں قرآن کا پہلا ترجمہ دراصل سندھی زبان میں ہوا جب کہ دوسرا ترجمہ فارسی زبان میں ہوا جس کے مترجم کاٹھیاواڑی عالم محمد بن جلال الدین حسنی گجراتی ہیں، چوتھے مغل حکمراں نورالدین محمد جہانگیر کے حکم کے مطابق ان کے ذریعہ یہ ترجمہ کیا گیا۔ ۲۔

اس کے بعد چھٹے مغل حکمراں محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر کے دورِ بادشاہت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1144ھ 1703 / 1176ھ 1762ء) کے ذریعہ قرآن حکیم کی اصولی تفسیر، ترجمہ اور حاشیہ نگاری کے ساتھ قرآنی علوم و معارف اور احکام و تعلیمات قرآن کو عام کرنے کا خوب صورت سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ ۳۔

قرآن کریم کے اردو تراجم کے قافلہ سالاروں میں حضرت علامہ سید شاہ محمد حقانی قادری برکاتی مارہروی کا حقانی ترجمہ بھی ہے جو ۱۲۰۶ھ میں مکمل ہوا۔ ۴۔ اس پر ایک تحقیقی مقالہ بھی لکھا جا چکا ہے۔

اردو ترجمہ و تفسیر اور حواشی کے حوالے سے برصغیر ہند و پاک کی اس چار سالہ تاریخ کے درمیان میں ایک سے ایک ترجمے، حواشی اور تفاسیر منظر عام پر آ چکی ہیں اور بآسانی دستیاب ہیں۔ ان میں ہر ایک کی اپنی مستقل حیثیت، انفرادی شناخت اور عوام و خواص میں حسب رتبہ ان کی مقبولیت مسلم ہے۔

سنی حنفی مکتب فکر کی نمائندہ اردو تفسیر ''اشرف التفاسیر'' اپنی تکمیل کی تاریخ 1363ھ کے عددی نام سے مکمل ہوئی مگر ''تفسیر نعیمی'' سے مشہور ہے۔ محرم 1361ھ/ فروری 1942ء سے اس کی ابتدا ہوئی اور مکمل تیس سال چار ماہ بعد ربیع الآخر 1392ھ/ جون 1972ء میں مکمل ہوئی۔ اس کے مصنف حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ مفسر موصوف کی حیات میں صرف گیارہ جلدیں شائع ہو سکی تھیں اور بقیہ زیر ترتیب تھیں چنانچہ آپ کے سال وفات 1971 میں بقیہ سات جلدوں کی تکمیل بھی نہ ہو سکی جس کو آپ کے بڑے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد خاں نے مکمل کیا۔ اس طرح تفسیر نعیمی قرآن حکیم کے کل تیس پاروں کی تفسیر نہیں بلکہ صرف 18 پاروں کی ہی تفسیر ہے۔

تفسیر نعیمی کی بنیاد زیادہ تر عربی تفاسیر پر قائم ہے۔ بقول مفسر ''یہ تفسیر معتمد عربی تفاسیر کا خلاصا ہے جس میں صوفیانہ مطالب کے لیے تفسیر ''روح البیان'' معقولی مباحث کے لیے امام فخرالدین رازی کی ''تفسیر کبیر'' لفظی اور لغوی مباحث کے لیے امام نسفی کی تفسیر ''مدارک التنزیل'' فقہی مباحث کے لیے امام ابوبکر جصاص رازی کی ''احکام القرآن'' اور ملا احمد جیون کی ''تفسیرات احمدیہ'' اور فارسی تفاسیر میں ''تفسیر عزیزی'' سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ تفسیر مذکورہ تفاسیر کا واقعی نچوڑ ہے۔'' ۵۔

معروف سنی مفسر صدرالافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر ''خزائن العرفان'' (تفسیری حاشیہ) کو اِس تفسیر کا مشعل راہ بنایا گیا ہے، اس طرح تفسیر نعیمی، تفسیر خزائن العرفان کی تفصیل ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کے

ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' پر تفسیر نعیمی کی بنیاد ہے۔ اگر چہ مفسر نے بھی قرآن کا تحت لفظ خود بھی ترجمہ کیا ہے مگر اس کی حیثیت ثانوی ہے۔

قرآنی علوم و احکام اور مسائل و مباحث پر مشتمل مفتی احمد یار خان نعیمی کی کئی کتابیں بھی ہیں جو تفسیر نعیمی کے حوالے سے آپ کے قرآنی شعور و فکر کو سمجھنے کے لیے بڑی حد تک معاون ہیں:

1۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن مع فہرس القرآن: یہ بھی قرآن حکیم پر مختصر مگر جامع تفسیری حواشی کے ساتھ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

2۔ انوار القرآن فی اسرار الاحکام: قرآنی اصطلاحات، مخصوص قرآنی الفاظ اور اُن کے معانی کی تحقیق اور فقہ حنفی کے مطابق قرآنی آیات سے مستنبط چند احکام کا تعارف۔

3۔ علم القرآن: اہم قرآنی مسائل اور علوم و معارف کے تعارف و تجزیہ پر مشتمل ایک جامع کتاب ہے۔

4۔ مسائل القرآن: اصولِ تفسیر و تاویل کی روشنی میں چند اہم اعتقادی مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

5۔ شان حبیب الرحمن: قرآنی آیات میں عظمت و حقیقت رسالت و نبوت کی تحقیقی ترتیب اور عالمانہ تعارف پیش کیا گیا ہے۔

6۔ جاء الحق: اعتقادی مسائل کی قرآنی آیات، احادیث نبوی، آثار و اقوالِ صحابہ و تابعین اور فقہائے اسلام و محدثین کے ارشادات کے آئینے میں ایک بنیادی تحقیقی کتاب ہے۔

7۔ درس قرآن: (مجموعہ دروس الفرقان) قرآنی آیات میں براہ راست بیان کیے گئے اصلاحی موضوعات پر مشتمل معلومات و مواعظ کا جامع ہے۔

8۔ اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں (الٰہ، رسول، نبی، ایمان) اس کی پیشانی پر ایک تعارفی جملہ لکھا ہوا ہے کہ ''ایمانی رسالہ، رحمت کا قبالہ، موجودہ زہریلی ہواؤں سے مسلمانوں کا ایمان بچانے والا''۔

بیسویں صدی کے ہندوستان میں اردو تفاسیر کی جو بھی فہرست ہے ان میں جماعت اہل سنت/سنی حنفی بریلوی مکتب فکر کی نمائندہ اردو تفسیر کی حیثیت ''تفسیر نعیمی'' کو ہی حاصل ہے اور علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کا تفسیری حاشیہ ''خزائن العرفان فی تفسیر القرآن'' اعلیٰ حضرت کے اردو ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' کے ساتھ بطورِ حاشیہ کے شائع ہونے کے سبب اہل سنت کی نمائندہ تفسیر کی حیثیت سے اگرچہ مشہور ہے تاہم ''تفسیر نعیمی'' چوں کہ اٹھارہ پاروں کی اٹھارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل اردو زبان میں ایک باضابطہ اور جامع تفسیر ہے اور ''خزائن العرفان'' کی تفصیل ہے، اس لیے مرکزی حیثیت اسی کو حاصل ہے۔ خزائن العرفان سے متعلق مجموعۂ مقالات کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

مزید یہ کہ مفتی صاحب نے قرآنی علوم و مسائل، اسرار و احکام اور غرائب و نکات پر مشتمل جو آٹھ (مذکورہ) معلوماتی اور بنیادی کتابیں لکھی ہیں وہ ''تفسیر نعیمی'' کی تاریخی اہمیت کو مزید دوبالا کر دیتی ہیں۔ اس لیے ''تفسیر نعیمی'' کے فکری و فنی تعارفی جائزہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔

''تفسیر نعیمی'' میں تقریباً ہر آیت کے تحت مختلف مقامات پر قرآنی آیات، مسائل اور اسلامی اصول و احکام کے خلاف اٹھنے والے قدیم و جدید اعتراضات و سوالات کے تفصیلی، مدلل اور مسکت جوابات دیے گئے ہیں، خاص طور سے آریائی، استشراقی (عیسائی) نیچری، اعتزالی، رافضی اور فکری توازن و اعتدال کے مخالف مسلم مفکرین اور نام نہاد علماے دین نیز جدید اذہان و افکار کی طرف سے اٹھنے والے اعتراضات کا شافی جواب بھی دیا گیا ہے۔

اسی طرح شدھی تحریک اور آریائی تحریک کے پیروپیگنڈوں، خاص طور سے آریائی ہندو مصنف کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کے چودھویں باب کے جوابات بڑی شد و مد سے دیے گئے ہیں، یوں ہی انیسویں اور بیسویں صدی کے مسلکی تنازعات، اختلافات، اتھل پتھل، فروعی مناقشے اور اصولی مناظرے پر بھی خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے اور اصولی اختلافات کو خاص طور سے تحقیق و تفسیر کا موضوع بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے تفسیر نعیمی بیسویں صدی کی اردو تفاسیر میں امتیازی مقام رکھتی ہے۔ حالات زمانہ کی یہ رعایت، ہر تحریر و تقریر کی خوبی ہے۔

تفسیر نعیمی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ متعدد عربی فارسی تفاسیر کے مضامین و مباحث، عربی مفسرین کے بیان کردہ قرآنی مطالب و معانی اور مضامین قرآن کے مقاصد و پیغام کا جامع ہے جو آسان اردو زبان میں سادہ و سلیس اندازِ تفسیر و تحریر کی شکل میں کم پڑھے لکھے اردو خواں افراد کی ضرورت کی تکمیل کرتی ہے، اس کے

ذریعہ عوام وخواص اور کم خواندہ سبھی کے لیے قرآن فہمی کے دروازے کھل گئے ہیں۔عوامی ضرورت کالحاظ بھی اس سہولت کا ایک سبب ہے۔

تفسیر نعیمی میں آیات کے درمیان ربط وتعلق،نظم القرآن کی رعایت اورشانِ نزول سے متعلق واقعات ومباحث کی پیش کش بڑی تفصیلی،تمثیلی اور مکمل وضاحتی ہے جوسب کی علمی اور معلوماتی دلچسپی کا سامان ہے۔اس طرح عربی وفارسی تفاسیر کے تقریباً وہ سبھی مباحث،مواد،استدلات اور مسائل واحکام اِس اردو تفسیر میں موجود ہیں جوعوام وخواص سب کی علمی ضرورت،فکری دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کا وسیلہ اورحیلہ بنتے ہیں۔

ہاں اکثر اردو تفاسیر میں یہ کمزوری اورخامی دیکھنے کوملتی ہے کہ بعض بے تحقیق روایات بھی اس کا حصہ بن گئے ہیں،تفسیر نعیمی بھی اس خامی اور کمزوری سے خالی نہیں،اس کی وجہ شاید یہ مندرجہ ذیل واقعہ ہے۔

بقول حضرت حکیم الأمت پاکستان میں صوبہ پنجاب کے شہر گجرات میں جب ایک مرکزی مسجد کی امامت وخطابت اور تدریسی خدمت کا موقع ملاتو اصلاح فکرواعتقاد کی غرض سے روزانہ تفسیر قرآن ''درس قرآن'' کے عنوان سے باضابطہ اور مسلسل بیان کی سعادت میسر ہوئی اورانیس سال بعد جب پہلی بار درس قرآن کا سلسلہ ختم ہوکر دوبارہ شروع ہواتو معلوم ہواکہ چند احباب نے تفصیل سے ہمارے تفسیری بیانات کواسی ترتیب کے ساتھ لکھ لیا ہے پھرانہوں نے اصرار کیا کہ اسے نظر ثانی اورضروری حذف واضافہ کے بعد کتابی شکل میں شائع کردیا جائے۔چنانچہ تاریخی نام''اشرف التفاسیر'' اورعرفی نام''تفسیر نعیمی'' کے عنوان سے پہلی جلد شائع ہوئی۔۸۔

لیکن وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔گیارہویں پارہ کی معروف آیت **اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔** کی تفسیر لکھنے کے بعد آپ علیل ہوگئے اور علاج کے لیے لاہور گئے۔اس وقت سے حکیم الامت کا سیال قلم ہمیشہ کے لیے رک گیا لیکن بستر علالت پرآپ نے خواہش ظاہر کی کہ''ہمارا یہ تفسیری کام ہمارے تلامذہ میں سے کوئی مکمل کرے توہمیں بڑی خوشی ہوگی۔''

آپ کی اِس خواہش کی تکمیل کرنے کی ہمت آپ کے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد خاں بدایونی نے کی لیکن اٹھارہ،پارہ تک ہی تفسیری کام مکمل ہوا۔آج یہ تمام جلدیں ارباب علم وفن کی توجہ کے سبب مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں۔اس کی پہلی جلد میں حضرت مفسر کے قلم سے ۲۷ر صفحاتی ایک نہایت معلوماتی مقدمہ بھی شامل ہے جس سے قرآن وتفسیر قرآن کے حوالے سے اُن کی دلچسپی اور معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔

دس بارہ سال پہلے پاکستانی قلمی کتابت کا نسخہ دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا جس کی تصحیح معروف عالم دین مولانا محمد حنیف خاں بریلوی نے کی تھی لیکن چوں کہ مرورِ زمانہ نے اس کے الفاظ وحروف کوکرم خوردہ بنادیا تھا،اس لیے رضوی کتاب گھر دہلی نے اس کی جدید کمپوزنگ کتابت کرائی جس کی تصحیح (الگ الگ جلدوں کی) مفتی اختر حسین علیمی قادری اورمولانا محمد عیسیٰ رضوی قنوج نے کی ہے جب کہ پہلی جلد کی تصحیح ثانی راقم محمد ظفرالدین برکاتی نے کی اوراختر حسین علیمی صاحب نے کئی جگہ ضروری حاشیہ بھی لگایا ہے۔راقم نے عرض ناشر کی شکل میں حکیم الامت کا نہایت جامع تعارف اور تفسیر نعیمی کا پس منظر بیان کیا ہے اور اُس کی ضرورت وافادیت مفتی صاحب کی دیگر قرآنی خدمات کے تناظر میں واضح کی ہے۔۹۔

حواشی۔حوالے

۱۔ شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن۔ایک تحقیقی جائزہ،ص ۱۹۵، باب سوم''ترجمے کا فن'' مقالہ نگار سید محمد امین (قادری) وارشاد احمد ساحل سہسرامی،مطبوعہ ۲۰۰۱ء،کتب خانہ امجدیہ دہلی

۲۔ قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ڈاکٹر احمد خان،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد پاکستان،ص ۱۲

۳۔ اردو تراجم وتفاسیر قرآن (تحقیقی مقالہ) ماہنامہ فکرونظر،۱۹۷۴ء،ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی

۴۔ شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر وقرآن،ص ۱۹۶،باب سوم،مطبوعہ دہلی ۲۰۰۱ء

۵۔ عرض مصنف (مفتی احمد یارخان نعیمی) تفسیر نعیمی جلد ۱،ص ۱۴،مطبوعہ ۲۰۱۲ء۔رضوی کتاب گھر دہلی۔

۶۔ ملخصا مقدمہ سلطنت مصطفیٰ،مصنف مفتی احمد یارخان نعیمی،ص ۴۔۷، مطبوعہ ۲۰۱۲ء،سیرت پبلی کیشن،کولکاتہ

۷۔ رسائل نعیمیہ،مفتی احمد یارخان نعیمی،ص ۲۲۲،مطبوعہ ۲۰۰۲ء دہلی

۸۔ عرض مصنف،تفسیر نعیمی،جلد ۱،ص ۱۳،مطبوعہ ۲۰۱۲ء دہلی

۹۔ دیباچہ (عرض ناشر) تفسیر نعیمی،جلد ۱،ص ۳۔۴،مطبوعہ ۲۰۱۲ء دہلی

جہانِ صدر الافاضل

صدر الافاضل ایک بے مثال مفسر

نبیرۂ صدر الافاضل مفتی سید بختیار الدین نعیمی مرادآباد

سند المفسرین، عمدۃ الفقہا، فخر الاماثل صدر الافاضل حضرت علامہ مفتی حکیم سید شاہ محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی علیہ الرحمہ کی زندگی نوع بنوع صفات وخصوصیات کی حامل تھی۔ وہ فرد واحد نہیں مکمل طور ایک تحریک اور اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اگر آپ کا صحیفہ حیات اٹھا کر دیکھا جائے تو یقیناً معلوم ہوگا کہ اشاعت دین کے سلسلے میں ایسا کوئی میدان نہیں جہاں آپ نے کاوش نہ فرمائی ہو علم وحکمت، تہذیب وتمدن، سیاست، تنظیم وتحریک یا رشد وہدایت غرضیکہ خداوند قدوس نے انہیں بے شمار فضائل سے نوازا تھا گویا آپ کی ذات اس شعر کا مصداق تھی:

لیس علی اللہ بمستنکر :ان یجمع العالم فی واحد۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ وعید نہیں کہ ایک ہی ذات میں دنیا بھر کی خوبیوں کو جمع کردے۔

حضور صدر الافاضل کی ظاہر وغیر ظاہر کرامتوں میں سے سب اہم کرامت آپ کی جامع ومانع، حشو وزوائد سے پاک اور رطب ویابس سے پاک وصاف تحریر کردہ تفسیر خزائن العرفان شریف ہے۔ یوں تو آپ کی متعدد علمی تصنیفات اہل علم سے خراج تحسین وصول کرچکی ہیں اور کررہی ہیں مگر تفسیر خزائن العرفان کی بات ہی کچھ اور ہے۔ جو آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے شہرۂ آفاق ترجمہ قرآن کنز الایمان پر تحریر فرمائی ہے۔

حضور صدر الافاضل کی کرامت خزائن العرفان اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنز الایمان کا ترجمان وبیان ہے۔ مترجم بھی اللہ کا ولی اور مفسر بھی اللہ کا ولی، فالحمد للہ رب العالمین۔ صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی ذات پر اعلیٰ حضرت کو بڑا اعتماد رہتا تھا، سرکار صدر الافاضل کی ذات مقدسہ کے معتبر ہونے میں بھلا کس کو شک ہوسکتا ہے سوائے حاسد وجاہل کے۔ اور راقم الحروف یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ سرکار صدر الافاضل کی تصنیف کے معتبر ہونے کے لیے کسی شہادت کی ضرورت نہیں بس اہل علم کو اتنا کہہ دینا کافی ہے ''یہ صدر الافاضل کی تصنیف ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان فیض ترجمان کو فصاحت و بلاغت اور صداقت کا منبع پرکشش شیریں بنایا تھا۔

آپ کی اہم تصنیفات میں خزائن العرفان کو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر کوئی آسان کام نہیں ہے اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ کسی بھی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں زبانوں پر خوب اچھی طرح دسترس حاصل ہو ورنہ مطلب کچھ کا کچھ ہوجائے گا۔ لہٰذا ترجمہ وتفسیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس زبان کا ترجمہ وتفسیر کررہا ہے اور جس زبان میں کررہا ہے دونوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہو ورنہ اغلاط سے محفوظ نہ رہ پائے گا۔ اردو ادب یا جس زبان میں تفسیر ہو اس کا ادب اور زبان وبیان پر کامل عبور حاصل ہونا ضروری ہے اور حضور صدر الافاضل کی شان تو یہ ہے آپ کو اپنی مادری زبان پر کمال کی دسترس حاصل تھی آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اس طرح مسجع ومقفیٰ ہوتے تھے کہ ارباب ذوق آپ کے اسلوب زبان کی تعریف کرتے اور آپ کی زبان کے الفاظ کو اپنی محفلوں کا موضوع سخن بنایا کرتے تھے جس کی ایک مثال مبارک پور کا جلسہ ہے جس کا تفصیلی بیان بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی نے اطیب البیان کے مقدمے میں کیا ہے۔

اردو تو خیر آپ کی مادری زبان تھی مگر اس سے کہیں زیادہ آپ کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب بھاگل پور میں ایک مناظرہ کے درمیان وہابی مولوی نے کہا کہ میں عربی زبان میں مناظرہ کروں گا، تو آپ نے اس کی بات سن کر برملا فرمایا کہ میری بھی ایک شرط ہے کہ عربی منظوم اور بغیر نقطے کے ہو یعنی نظم میں ہو اور الفاظ میں کوئی لفظ نقطے والا نہ آئے۔ آپ کی اس بات پر وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ سوائے راہ فرار کے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ بعد میں حضرت سید مختار اشرف سرکار کلاں نے عرض کیا کہ حضور اگر وہ وہابی تیار ہوجاتا تو

آپ غیر منقوط عربی کس طرح بولتے، ہم آپ کی اس بے مثال ہنر کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کو سن کر آپ نے برجستہ کئی سارے عربی اشعار سناڈالے جو کہ منظوم اور غیر منقوط ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع مناظرہ کے مطابق تھے۔ سبحان اللہ یہ شان تھی سرکار صدرالافاضل کی، آپ کو عربی، فارسی، اردو، پہاڑی اور بہت ساری زبانوں پر دسترس حاصل تھی یہی وجہ تھی جب حضور صدرالشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ قرآن کی گزارش کی تو اعلیٰ حضرت نے تفسیر کی ذمہ داری صدرالافاضل پر ڈال دی جسے آپ نے بخوشی قبول کرلیا۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا یہ ایک ایسی کتاب کی بات تھی جو ام الکتاب ہے، جو بیماروں کے لیے شفا اور تندرستوں کے لیے بقا ہے، گمراہوں کے لیے راہنما ہے۔

یوں تو عربی زبان میں قرآن کی کئی مایہ ناز تفاسیر منظر عام پر آئیں جن میں تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن عباس وغیرہ لیکن اردو زبان میں اس وقت ایک معتبر تفسیر کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی جارہی تھی کیوں کہ کچھ لوگوں نے تفسیر کے نام پر اپنے منمانے عقائد تھوپنے کی مذموم کوشش کی تھی۔ ان لوگوں نے انگریزی چشمے لگا کر قرآن کو دیکھا تو جو قرآن آپ کی نعت شریف ہے اسی قرآن میں صاحب قرآن کی توہین تلاش کرنے لگے، شیطانی توحید کو ایمانی توحید بتا کر خلق کے سامنے پیش کرنے لگے اس کے لیے انہوں نے ترجمہ وتفسیر کو آڑ بنایا اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک ایسا ترجمہ وتفسیر کیا جائے جو معتبر عربی تفاسیر کا بیان وخلاصہ ہو۔ باطل فرقوں کا رد بھی ہو، شان نزول کا بیان بھی ہو ساتھ ہی ساتھ مسائل شرعیہ کا حل بھی موجود ہو۔ قدرت نے اس کام کے لیے دو محبوب بندوں کو منتخب فرمایا جن کو دنیائے اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدرالافاضل علیہما الرحمہ کے نام سے جانتی ہے۔

صدرالافاضل نے قرآن کی تفسیر مختصر مگر بلیغانہ انداز میں لکھی ہے جو اپنے اختصار کے باوجود بڑی اہم اور جامع ہے۔ اس تفسیر میں آپ نے قرآنی مفاہیم کو بڑے اختصار اور شستہ اسلوب میں بیان کیا ہے۔ جس کا مطالعہ کرنے کے بعد اہل علم یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ لگتا ہے سرکار صدرالافاضل نے دریا کو کوزے میں اتار دیا ہے۔ خزائن العرفان کی سب سے اہم خوبی یہ ہے ترجمہ وتفسیر دونوں باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان کو ایک دوسرے الگ کرکے فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ترجمہ دیکھنے والا نمبر وار فائدہ کے تحت اس کی تفسیر بھی دیکھتا جائے اس تفسیر نے ترجمے سے بے نیاز نہیں کیا بلکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ صدرالافاضل نے اس بات کا بھی مکمل خیال رکھا ہے کہ ہر تفسیر تشریح کے ساتھ مستند عربی تفسیروں کے حوالے بھی تحریر کردئے ہیں تاکہ مزید وضاحت کے لیے مذکورہ تفاسیر کا مطالعہ کیا جاسکے۔ اس طرح خزائن العرفان ہر طرح سے مستند ہوگئی ہے۔

مفسرین کرام ایک ایک آیت کی کئی کئی تفاسیر بیان کرتے ہیں اور متعدد وجوہ سے ان کے الگ الگ مطالب واضح کرتے ہیں لیکن حضور صدرالافاضل نے کئی تفاسیر بیان کرنے سے گریز کیا ہے بلکہ جو راجح اور مفسرین کے نزدیک معتمد ہے اسی کو بیان فرمایا ہے گویا آپ نے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں اس بات کا بھی خاص خیال رکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں جو بات کم علموں کو کھٹکتی تھی اور بدعقیدہ لوگ کنزالایمان پر اعتراض کرتے تھے، آپ نے اعلیٰ حضرت کی تصدیق مکمل حوالوں کے ساتھ معتمد تفاسیر سے فرمادی ہے اس طرح وہم وگمان کے سبھی دریچے بند کردیے۔

تفسیر کے لغوی معنیٰ علمائے کرام نے کشف وبیان بتایا ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف کے بیان میں علما و محققین کے متعدد اقوال پیش کیے گئے ہیں طوالت سے بچنے کی خاطر ان میں سے ایک گروہ علما کی پیش ہے:

آیات کے نزول، ان کے حالات وواقعات اور اسباب نزول پر ترتیب مکی ومدنی، محکم ومتشابہ، ناسخ ومنسوخ، خاص وعام، مطلق ومقید، مجمل ومفسر، حلال وحرام، امر ونہی اور نصائح وامثال کا حامل یہ ہوگا کہ علم تفسیر ایسے معانی ومطالب کا بقدر طاقت بشری اظہار وبیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد کی طرف رہنمائی کرے۔ واضح رہے کہ کوئی بھی علم اپنے موضوع غرض اور ضرورت کی بنا پر ممتاز ہوتا ہے علم تفسیر دیگر تمام علوم و فنون سے اسی لیے ممتاز ہے کہ اس کا موضوع قرآن کریم ہے جو سرچشمہ علم وحکمت ہے اس کی غرض یہ ہے کہ مضبوط گرہ تھام لی جائے لازوال سعادت حقیقی سے سرفراز ہوجائے اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہر دینی ودنیوی کمال دینی وشرعی علوم ومعارف میں مہارت تامہ کی صفات

سے متصف نہایت اہم اور ضروری شرط ہے۔ یہ خدائے کارساز کا فضل ہی تو ہے کہ امام احمد رضا اور حضور صدرالا فاضل دونوں اپنے دور کے آفتاب ومہتاب ہیں اسی طرح ترجمہ وتفسیر اپنی جگہ بے عدیل وبے مثیل ہیں۔ جس طرح ترجمے کا ہر ہر کلمہ قرآن مجید کے ہر ہر لفظ کا اصل مظہر ہے اسی طرح تفسیر کی عبارت ترجمے کی صحیح توضیح کر رہی ہے۔

خزائن العرفان میں صدرالا فاضل نے جابجا امام اعظم ابوحنیفہ کی تائید کی ہے اور قرآن سے مسائل کا استخراج فرما کر ثابت کیا ہے کہ امام اعظم کا قول ہی قابل ثقہ ہے۔ چنانچہ حضور صدرالا فاضل ایک آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مسائل استنباط فرماتے ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے:

واذاقرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔ اس آیت میں اصل اختلاف امام اعظم اور امام شافعی کے درمیان ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے امام کے پیچھے مقتدی کے لیے بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اگر مقتدی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے بلکہ خاموش کھڑا رہے اور اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو۔ حضور صدرالا فاضل اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس وقت قرآن پڑھا جائے خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز اسوقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، فائدہ: جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے کے سبب میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں خطبہ سننے اور گوش برآواز ہونے اور خاموش ہونے کا حکم ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے نماز اور خطبہ دونوں بغور سننا اور خاموش رہنا واجب ثابت ہوتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ نماز میں امام کے ساتھ قرأت کرتے ہیں تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کے معنی سمجھو۔ غرض اس آیت سے قرأت خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس کو اس کے مقابل حجت قرار دیا جا سکے۔ قرأت خلف الامام کی تائید میں سب سے زیادہ اعتماد جس حدیث پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ مگر اس حدیث سے قرأت خلف الامام کا وجوب تو ثابت نہیں ہوتا صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کامل نہیں ہوتی، تو جب کہ حدیث قرأۃ الامام قرأۃ سے ثابت ہے کہ امام کا قرأت کرنا ہی مقتدی کا قرأت کرنا ہے تو جب امام نے قرأت کی اور مقتدی ساکت رہا تو اس کی قرأت حکمیہ ہوئی تو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے سے قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو جاتا ہے اور قرأت کرنے پر آیت کا اتباع ترک ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ وغیرہ کچھ نہ پڑھے۔'' (خزائن العرفان)

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

بقیہ: طنز ومزاح اور ظرافت آج کے دور کی اہم ضرورت

جب سب کھا چکے تو حضور ﷺ نے از رہِ مزاح فرمایا کہ دیکھتے ہیں سب سے زیادہ کھجوریں کس نے کھائیں۔ حضرت علی نے عرض حضور یہ بھی دیکھیں کہ گٹھلیوں سمیت کھجوریں کون کھا گیا؟

ایک مرتبہ خلفا راشدین میں حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر فاروق اور حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہم کہیں اکٹھے تشریف لے جا رہے تھے۔ درمیان میں سیدنا علی المرتضی تھے اور دائیں بائیں دونوں اصحاب تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کا قد مبارک شیخین کی نسبت قدرے چھوٹا تھا۔ سیدنا عمر فاروق نے مزاحاً ارشاد فرمایا: حضرت علی ہمارے درمیان ایسے معلوم ہو رہے ہیں جیسے لفظ "لَنَا" میں "ن" ہوتا ہے۔ اس پر سیدنا علی المرتضیٰ نے جواباً مزاح فرماتے ہوئے بڑا پیارا جواب ارشاد فرمایا کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر درمیان سے ''ن'' نکال دیا جائے تو ''لا'' رہ جاتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے ''نہیں'' یعنی کچھ نہیں۔

اس سے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے درمیان محبت وپیار، اتحاد واتفاق اور اخوت وبھائی چارے کو درس بھی ملتا ہے کہ ان کے دریان تناؤ نہیں بلکہ خوش گوار اور کھلا ماحول تھا جسے آج ہم سب کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

P

گوشہ خواتین

طنز ومزاح اور ظرافت آج کے دور کی اہم ضرورت

از: محترمہ رابعہ

لفظ طنز ومزاح عمومی معانی میں مذاق وہنسی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ طنز کے لغوی معنیٰ تو کسی کو طنز وطعن کا نشانہ بنانا ہے۔ جس سے اس کی دل آزاری ہو اور دینِ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ ادب میں یہ الفاظ ایک ساتھ مروج ہیں لیکن اس میں بھی طنز ایسا لفظ یا جملہ ہے جس سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہو۔ جس کا مقصد عامیانہ مزاح پیدا کرنا نہ ہو۔

طنز ومزاح یا شگفتگی وظرافت آج کے دور کی اہم ضرورت بن چکا ہے بلکہ یہ ہر دور کی اہم ضرورت رہا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ ہر پہلا دور ہر آنے والے دور کی نسبت پر امن تھا۔ جس طرح کھانے کے بعد میٹھا ضروری ہوتا چاہے کم مقدار میں ہی کیوں نہ ہو یوں ہی موجودہ دور میں ظرافت کی شیرنی لازم ہے۔

مزاح وہ دوا ہے جو دو نمبر کی ہو تو بھی اس کے اثرات مثبت ہی ہوتے ہیں۔ سائنسی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسکرانے سے انسانی خلیوں اور عضلات پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں، تناؤ کم ہوتا ہے، انسان توانا رہتا ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑھاپا دیر سے آتا ہے۔

آج ہم جس معاشرے و ماحول میں سانسیں لے رہے ہیں ہر جا ٹینشن، عجیب خبروں اور حالات کے تغیر، مہنگائی وکم آمدنی نے انسانی اعصاب کو مسلسل تناؤ کا شکار بنا رکھا ہے۔ انسان ان سے فرار کی راہ نشہ اور اس قسم کی دوسری عادات میں تلاش کرتا ہے جو کسی بھی مسئلے کا حل نہیں۔ البتہ شگفتگی وظرافت کسی حد تک انسان کو ہلکا پھلکا کر دیتے ہیں۔

ایک عام انسان کے تجربے میں یہ بات عموماً آتی ہے کہ اگر کوئی شخص اداسی وتناؤ کا شکار ہو مسلسل ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ وقتی طور پر اس کا ماحول تبدیل کر دو اور اگر اسے ہنسی مزاح کرنے والے ساتھی میسر آجائیں تو اگرچہ وہ اپنے غم سے چھٹکارا تو نہیں پاتا مگر بے حال بھی نہیں ہوتا۔

ظرافت جہاں انسان میں توانائی پیدا کرتی ہے وہیں رجائیت اور امید کی بھی ایک صورت ہے کہ انسان مایوس اور ناامید نہیں ہوتا۔ زندگی شمع کی طرح ڈگمگاتی ہے مگر روشن رہتی ہے۔ ظرافت وشگفتگی یا طنز ومزاح خوش اخلاقی کی اعلیٰ ترین صورت ہے جو ہمارے دین کا اہم حصہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ تو تھے سب سے اعلیٰ ترین با اخلاق۔ یہ ایک ایسا وظیفہ بھی ہے جو انسانوں اپنی طرف کھینچتا ہے، پرکشش ہے جو انسان کو دوسروں میں عزت ومقبولیت عطا کرتا ہے۔

آج ہم جس افراتفری اور اضطراب وہیجان کے دور سے گزر رہے ہیں اس میں اگر کوئی وظیفہ کام آسکتا ہے تو مزاح ہی ہے اگر کوئی دوا اصلی ہے تو ظرافت وشگفتگی ہی ہے مگر دھیرے دھیرے یہ معدوم ہوتی چلی جارہی ہے۔ اگر یہی روش رہی تو تو انسان مایوسی کے اندھیروں میں چلا جائے گا اور ہمارا دین مایوسی کو پسند نہیں کرتا۔

بارش کافی عرصہ نہ ہو تو زمین بنجر ہو جاتی ہے اور اس زمین پر فصل نہیں اگ سکتی، قحط زدگی ہونے لگتی ہے اور علاقے کو آفت زدہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ یوں ہی مزاح وشگفتگی کے بغیر زندگیاں قحط زدہ ہو جاتی ہیں اور نسل انسانی اعتماد کے زیور سے خالی ہو جاتی ہے۔ بچے جو نوید نو ہوتے ہیں مرجھائے پھول بن جاتے ہیں کیوں کہ ان کی پرورش کرنے والے اذہان آفت زدگی کا شکار ہوتے ہیں۔

اللہ نے انسان کو منع فرمایا کہ زمانے کو برا نہ کہو کہ زمانہ میں ہی ہوں اور نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا کہ ہر آنے والے دور سے بہتر پہلا دور ہوگا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم قیامت کی طرف سفر تو کر رہے ہیں مگر وقت وزمانے کو برا کہہ کر گناہ کمانے سے بہتر ہے حالات کی کڑوی گولی پر مزاح کی شیرنی چڑھا کر اس کو کھا لیا جائے۔

ہمیں مزاح وشگفتگی کی بہت عمدہ مثالیں دین اسلام میں ہی مل جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھے بیٹھے ہوئے کھجورے کھا رہے تھے اور کھجوروں کی گٹھلیاں سب اپنے سامنے رکھتے تھے لیکن حضور ﷺ اپنی گٹھلیاں حضرت علی کی گٹھلیوں میں رکھتے تھے۔ (باقی صفحہ 43 پر)

اصلاح معاشرہ

مسلم سماج کا ننگا سچ

(نوٹ: کمزور دل والے یہ مضمون ہرگز نہ پڑھیں۔)

محمد حسنین، ایڈیٹر ہفت روزہ دی میڈیا پروفائل دہلی

مشہور کالم نویس ظفر آغا نے کبھی اپنے مضمون میں مسلم بستیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا، ''لمبی داڑھیاں، گندی نالیاں اور اونچے پائنجامے مسلم بستیوں کی پہچان ہیں''۔ کچھ لوگوں کو بڑی تکلیف پہنچی تھی اس تبصرے سے مگر سچ تو ہوتا ہی کڑوا ہے۔ کسی بھی محلے کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے، حالات کم و بیش ایسے ہی ملیں گے۔ ہر مسلک کی اپنی خاص داڑھی ہے جس کی پہچان دور سے ہی ہو جاتی ہے۔ بالکل چھوٹی داڑھی شیعوں کی، اس سے کچھ بڑی جماعتِ اسلامی کی، خوب گھنی مونچھوں سمیت بریلویوں کی، بڑی داڑھی مونچھوں کے بغیر تبلیغیوں کی، ایک مٹھی سے کچھ زیادہ لمبی دیوبندیوں کی اور سینے تک یا اس سے بھی لمبی اہل حدیث کی۔ خدا معلوم اس میں مسلمانوں کی داڑھی کون سی ہے؟ ہم تو خیر ہر داڑھی کا احترام خود پر فرض جانتے ہیں پر ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ داڑھی بس اسی کی شریعت کے مطابق ہے۔

نالیاں ہر محلے میں ہوتی ہیں مگر ہماری نالیوں کا جواب نہیں۔ کچھ سرکار کی مہربانی سے اور کچھ اپنی کمبختی کی وجہ سے یہ نالیاں ہر دم بھری رہتی ہیں۔ ان نالیوں سے ہمارے نمازی اتنے خائف رہتے ہیں کہ ان کے پائنچے ہر دم اوپر کی طرف کھنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض سمجھدار نمازیوں نے اتنا چھوٹا پائجامہ پہننا شروع کر دیا ہے کہ کبھی کبھی ایسا گمان ہوتا ہے گویا انہوں نے عجلت میں چھوٹے بھائی کا پائجامہ پہن رکھا ہو۔ ویسے یہ منطق کم از کم ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ خدا کے ڈر سے ہر دم کانپتے رہنے والے یہ لوگ جتنی پرواہ اپنے کپڑوں کی کرتے ہیں اتنی اپنے جسم کی کیوں نہیں کرتے۔ آخر جن پائنچوں کو ناپاکی سے بچانے کے لیے گھٹنوں کے قریب پہنچا دیا گیا ہے، گندگی ان تک پہنچنے سے پہلے ان کے پیروں کو تو خراب کر کے رہے گی۔ اس سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے جب امام صاحب نماز شروع کرنے سے پہلے مقتدیوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے پائنچے اوپر کی طرف چڑھا لیں۔ حیرت ہے، مسجد کے پاک ماحول میں جہاں کسی بھی طرح کی گندگی کا کوئی امکان نہیں ہوتا لوگ زبردستی پائجامے اوپر کی طرف چڑھا رہے ہوتے ہیں اور گلی محلے کی سڑکوں میں جہاں صفائی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، وہی نمازی ٹھاٹ سے پائنچے نیچے گرا کر چہل قدمی کر رہے ہوتے ہیں۔

بہر حال انہی گلیوں میں پل بڑھ کر ہماری موجودہ شرافت بالغ ہوئی ہے۔ یہ وہ شرافت ہے جس نے شریعت کو ہر طرف سے کاٹ چھانٹ کر اتنا مختصر کر دیا ہے کہ اب اسے مولوی بھی نہیں پہچان سکتے۔ روزانہ ہمیں ایسے تجربے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ کی قدرت یاد آجاتی ہے۔ ایک بڑی بی جھجکتی ہوئی ایک خوش پوش نوجوان سے مخاطب ہوتی ہیں، ''بیٹا ذرا میری مدد کرو۔ مجھے تمہاری بہن کی شادی کرنی ہے۔ بھائی (یعنی تمہارے والد) ماشاء اللہ بڑے اچھے آدمی تھے۔ میرا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کے جیتے جی مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ مگر اب تو بس اللہ کا ہی سہارا ہے۔ دیکھنا بڑی امید سے تمہارے پاس آئی ہوں۔ میرا دل نہ توڑنا، اللہ تمہیں شاد آباد رکھے''۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ بڑی بی کون ہو سکتی ہیں اور ان کی لاڈلی بھلا کیا لگتی ہوں گی ''فلاں بھائی'' کی۔ تو سنئے، یہ بڑی بی مرحوم کے اچھے دنوں کی ساتھی رہی ہیں۔ دونوں نے بڑی خوشگوار شامیں ایک ساتھ گزاریں، کئی رنگین راتوں کے نتیجے میں ان کی گود بھری۔ سب کچھ کیا مگر ''شادی کی رسوائی'' سے بچتے رہے۔ آخر پہلی بیوی کی موجودگی میں یہ گناہ کس طرح کر سکتے تھے۔ بالآخر گناہ کا یہ بوجھ جسے مرحوم ''بڑی بی'' کی جھولی میں ڈال گئے، دھیرے دھیرے بڑھتی رہی جس کے حوالے سے بڑی بی اسی پرانے در پر مدد مانگنے پہنچ گئیں۔

ان شریفوں کی اپنی شریعت اور اپنا قانون ہے۔ سماج میں اپنا بھرم بنائے رکھنے کے لیے ان کے پاس ایسی ایسی ترکیبیں ہیں کہ انسان دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ جائے۔ یہ لوگ لمبے لمبے سفر کرتے

ہیں۔ ہر سفر کا اپنا رنگ اور اپنا ماحول ہوتا ہے۔ مختلف شہروں میں ان کی داستانیں بھی ہوتی ہیں اور داشتائیں بھی۔ ہر برے کام کے لیے ان کے پاس کوئی نہ کوئی جواز ہوتا ہے۔ حرام کاری ان کی نس نس میں سما گئی ہے۔ خود کو دنیا کی نظروں میں پاک باز بنائے رکھنے کے لیے یہ لوگ دینی جماعتوں کا استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے لیے بال بچوں کو اللہ کے بھروسے چھوڑ کر دیس بدیس کی تکلیفیں اٹھارہے ہیں جب کہ وہ گناہوں سے اپنی راتیں رنگین کر رہے ہوتے ہیں۔ بھید کھلنے پر داشتہ کو منکوحہ بتانے میں ذرا دیر کی بھی تو جھجک نہیں ہوتی۔ نکاح پر نکاح کیے چلے جانا اور کبھی بھی سب کو آزاد کر کے اپنے پرانے گھر کی طرف لوٹ پڑنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ کبھی یہ کسی طلاق شدہ پر مہربان ہوتے ہیں تو کبھی کسی بیوہ پر احسان کرتے ہیں، کبھی کسی غیر مسلم کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں تو کبھی کسی شادی شدہ عورت کو اس کے شوہر کی موجودگی میں اپنا کر کسی کرایہ کے مولوی سے مہر لگوا لیتے ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو کسی غریب پر ترس کھا کر اپنے گلے کا ہار بناتے ہیں اور اس کا خرچہ زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنی اس ''کم ظرفی'' پر شرمندہ ہونے کے بجائے اپنے خاص دوستوں کی محفل میں اتراتے ہیں اور جب جی بھر جاتا ہے تو چپ چاپ گھر واپس لوٹ جاتے ہیں۔

ان شریف زادوں کی صورت اس وقت دیکھنے لائق ہوتی ہے جب ان کی پنچایت میں وہ نوجوان پیش ہوتا ہے جس نے ساری زندگی نبھانے کے ارادے سے دو شادیاں کر رکھی ہوں۔ اس وقت ان کی رگِ شرافت اس بری طرح پھڑکتی ہے کہ شریعت کے سارے تانے بانے ایک ہی جھٹکے میں بکھر کر رہ جاتے ہیں۔ تب ان کی زبان سے جو کلمہ جاری ہوتا ہے اسے سن کر تو ایک بار شیطان بھی شرما جائے۔ ''ارے میاں دنیا بہکتی ہے جوانی میں۔ ہم نے بھی غلطیاں کر رکھی ہیں۔ مگر یہ کون سا طریقہ ہے جو تم نے اپنایا۔ ارے کسی پر دل آ ہی گیا تو کچھ دن کھیل لو، مگر اپنا گھر کیوں خراب کرتے ہو بھائی۔ کسی کمین کے لیے بھلا اپنی بیاہتا کے ماتھے پر کلنک لگا دوگے۔ ختم کرو یہ کہانی اور لوٹ چلو''۔ حالانکہ وہ غریب دونوں کو نبھانے کی قسم اٹھائے ہوئے ہے مگر اس کی سنتا کون ہے۔ ایک ہی جھٹکے میں ساری شریعت اٹھا کر ایک طرف رکھ دی جاتی ہے اور حاجی نما شیطان پوری طرح ننگا ہو کر سماج کے سامنے آجاتا ہے۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ دنیا مولوی اس نازک وقت میں بھی شریعت پر مصلحت کی چادر ڈال کر اپنے نفس کی خدمت سے باز نہیں آتا۔ یہ تو بہر حال دنیادار مولوی کی مجبوری ہے کہ اسے ہر دولت مند کی ہوس پر پردہ ڈالنا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، مسجد کی تعمیر اور مرمت سے لے کر اپنی ذاتی ضرورت تک ہر جگہ اسے انہی دولت مندوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ وہ چاہ کر بھی شریعت کے وہ احکام کھول کر بیان نہیں کر سکتا جس سے ان کم ظرفوں کی پیشانی پر بل پڑ جائیں۔ آپ ایک بار اپنے سماج پر نظر ڈالیں! ساری زندگی عیاشیوں میں گزارنے کے بعد دو نمبر کے پیسوں سے یہ لوگ حج کرتے ہیں، پولیس کے اشارے پر داڑھی رکھتے ہیں، دنیا کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں، اپنے گناہوں پر نادم ہونے کے بجائے برادری کے میلوں میں اتراتے پھرتے ہیں، مسجد کی صدارت کا الیکشن لڑکر انتظامیہ کی مخبری کرتے ہیں، عوامی چندے کے پیسوں سے اپنا کاروبار بڑھاتے ہیں، مسجد کی تعمیر کو کسی سرکاری پروجیکٹ کی طرح اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور مرنے کے بعد تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں سب کچھ دیوبندی ہونے کے باوجود جائز کر لیتے ہیں۔

وہ داڑھی جو قانون کی پکڑ سے بچنے کے لیے رکھی گئی ہو، وہ نماز جسے گناہوں کو چھپانے کے لیے استعمال کیا جائے، وہ حج جس کا مقصد اپنی ذات کو نمایاں کرنا ہو اور وہ زکوٰۃ جس کے ذریعہ غریب کم سن لڑکیوں پر دست درازی آسان ہو جائے، ہر عمل کو مذاق بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ حج پر جاتے وقت شاندار دعوتوں کا اہتمام، ایئرپورٹ پر پہنچنے کے لیے بے شمار گاڑیوں کا قافلہ، ایئر پورٹ پر حسین نوجوان لڑکیوں کی نمائش، ایسا لگتا ہے جیسے کسی امیر زادے کی برات ہو۔ عورتیں اس طرح سج دھج کر ہوائی اڈے پہنچتی ہیں جیسے فیشن شو میں کیٹ واک کرنے جا رہی ہوں۔ دورانِ حج ہر ہاتھ میں قیمتی اسمارٹ فون، سیلفیاں لی جارہی ہیں۔ حج کیا ہے، زمانہ جاہلیت کا تماشہ ہے جس کا مقصد عبادت نہیں بلکہ اپنی حیثیت کا اظہار ہے۔ فضول خرچی کی وہ ساری رسمیں جنہیں شادی بیاہ کے موقع پر گناہ سمجھا جاتا ہے، حج پر پوری طرح جائز سمجھ لی جاتی ہیں۔ پھر حج سے واپسی کے بعد دعوتوں کا دور۔ خدایا یہ کون سا دین ہے

جسے لوگوں نے اپنا رکھا ہے۔

ہم نے ایسے بزرگ دیکھے ہیں کہ ساٹھ برس کی عمر میں بیوی مر جائے تو دوسرے نکاح کے لیے بے چین ہو اٹھتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے ہر جگہ اپنی پریشانی کا رونا روتے ہیں اور جوان اولادوں کو، جو وقت پر نکاح نہ ہونے کی وجہ سے چھپ چھپ کر حرام کاریاں کرتی پھرتی ہیں، ان کے حال پر چھوڑ کر اپنے لیے مناسب رشتہ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں۔ الٹے سیدھے طریقے سے شادیاں کرتے ہیں اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں جب تک پورا سماج ان کی ہوس کا گواہ نہیں بن جاتا۔ جو اس راہ پر چلنے کا جوکھم نہیں اٹھا سکتے وہ معصوم بچوں پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، پکڑے جانے پر اللہ رسول کا واسطہ دیتے ہیں اور آئندہ ایسی غلطی نہ دہرانے کا عہد کر کے اپنی جان چھڑاتے ہیں۔ ان تمام بڈھوں نے اپنا ایک حلقہ بنا رکھا ہے جس میں دنیا دار مولوی، نیتا، علاقے کے بدمعاش بلکہ اخباروں کے رپورٹر تک شامل ہوتے ہیں۔ ان کے پاس پیسوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی اس لیے آئے دن اپنی اس منڈلی کی دعوت کرتے رہتے ہیں تا کہ وقت پڑنے پر انہیں استعمال کیا جا سکے۔

ہم نہیں کہتے کہ دوسرا نکاح جرم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت دی ہے۔ مگر نکاح نکاح کی طرح ہونا چاہیے۔ اپنی منکوحہ کو رکھیل کی طرح کیوں استعمال کرتے ہو۔ اسے بیوی کا درجہ دو اور یہ کام ڈنکے کی چوٹ پر کرو جیسا کہ شریعت کا منشا ہے کیوں کہ چھپ کر تو آشنائیاں کی جاتی ہیں، نکاح نہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ساٹھ کی عمر کو پہنچ کر انسان کا دل مر جاتا ہے یا اس کی دھڑکنیں بند ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ کیا تماشہ ہے کہ گھر میں تیس تیس برس کی جوان بیٹیاں کنواری بیٹھی ہیں، لڑکے پینتیس سال کی عمر کو پار کرنے والے ہیں اور بڑے میاں یار دوستوں سے نکاح ثانی کے لیے کہتے پھر رہے ہیں ہے۔ سارے بچے گندگی میں منہ مار رہے ہوں، ایسا بھی نہیں ہے۔ بہت کم سہی، مگر اب بھی ایسے نوجوان نظروں میں ہیں جن کی جوانی پر کوئی داغ نہیں ہے۔ یقیناً ان میں ہماری وہ پاکباز بیٹیاں بھی ہیں جنہوں نے اس برے دور میں بھی اللہ کی حدوں کا پاس رکھا ہے۔ مگر کیا ان کے بارے میں سوچنا ہمارا کام نہیں ہے۔ کیا ہم انہیں اسی طرح گھٹ گھٹ کر مرنے کے لیے چھوڑ دیں۔ یاد رکھیے، فطرت کے اپنے تقاضے ہیں۔ یہ بچے برائیوں سے بچنا چاہیں گے تو ان کی جوانی کو گھن لگ جائے گا اور اگر بگڑے تو ہماری دنیا لٹ جائے گی۔ جس معاشرے میں کنواری مر جانے والی لڑکیوں کی تعداد سیکڑوں کو پہنچ جائے اور لڑکے محض اس لیے گھر نہ بسا سکیں کہ دنیا کی رسموں کو پورا کرنا ان کے بس کی بات نہیں، وہاں اللہ کا عذاب اتر کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کا رخ نہیں پھیر سکے گی۔

اپنی بے پناہ ہوشیاری کی بدولت ہو سکتا ہے کہ سماج کا ایک بڑا طبقہ تمہاری کارستانی سے بے خبر ہو مگر بچوں کو اپنے بڑوں کا سارا حال معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بڑی تعداد جوان ہوتے ہی گناہوں کے سمندر میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔ ان پر اپنے بڑوں کی کسی نصیحت کا اثر نہیں پڑتا۔ وہ دلی ممبئی کے پری خانوں سے لے کر تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ملیشیا اور آسٹریلیا تک اپنی محبتوں کا جال بنتے ہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک ماں باپ کی حرام طریقے سے کمائی ہوئی دولت کی ایک ایک پائی ختم نہیں ہو جاتی۔

سوچیے اور خوب سوچیے کہ دلی کی ۱۷ سو مسجدوں سے جڑے لاکھوں نمازیوں کی دعائیں آخر رائیگاں کیوں چلی جاتی ہیں۔ حد درجہ مظلوم ہونے کے باوجود رب کائنات ہماری سن کیوں نہیں رہا ہے۔ وہ کون سا عذاب ہے جس کے انتظار میں ہم سب بیٹھے ہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہم خود اپنوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ دنیا تو ہمیں مٹانے کے منصوبے بنا ہی رہی ہے مگر ہم خود کھلونے کی طرح کیوں استعمال ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیے اللہ نے اس دنیا کو چلانے کے لیے کچھ اصول بنائے ہیں۔ ہم اگر جلتے توے پر ہاتھ رکھیں گے تو وہ جلے گا ہی۔ صرف اس لیے تو نہیں چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم اللہ کے سب سے محبوب نبی کے امتی ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بہت سی سزائیں صرف ہمارے لیے مخصوص ہیں کیوں کہ یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔

ffff

اسلامیات

اکیسویں صدی میں یورپ و امریکہ اسلام کی دہلیز پر

محمد رضا قادری مصباحی

مغرب کے عظیم مفکر مشہور ڈرامہ نویس جارج برناڈ شا (۱۹۵۰-۱۸۵۶) نے کہا تھا اگر کوئی مذہب ہے جو اگلے سو سال میں انگلستان پر حکومت کرے، نہیں بلکہ سارے یورپ پر حکومت کرے تو وہ صرف اسلام ہوگا۔ میں نے محمد کے مذہب کو ہمیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز طاقت ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کے اندر بدلتی ہوئی دنیا کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہے، جس کے اندر ہر دور کے لیے اپیل ہے:

If any religion has the chance of ruling over England,nay Europe, within the next hundred years, it is can only be Islam.I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of this wonderful vitality. It is the only religion wich appears to me to possess the assimilating capability to the changing facc of cxistancc wich can makc its apeal to every age(احیاءاسلام).

مغربی مفکر نے اسلام کے حوالے سے جو بات آج سے ۶۰ سال قبل کہی تھی اس کا عملی ظہور اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہو چکا ہے۔ (۱۰۹۶ء سے تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک مکمل دو سو سال یورپ نے اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کی جس میں انہیں شکست فاش ہوئی اور انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ عسکری میدان میں ہم مسلمانوں کو مات نہیں دے سکتے کیونکہ علم، سائنس و ٹکنالوجی میں وہ ہم سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس پرانے قسم کے جنگی اسلحے ہیں اور مسلمانوں کے پاس جدید جنگی ہتھیار ہیں۔ اس احساس کے تحت انھوں نے میدان جنگ بدلنے کا فیصلہ کیا o وہ فیصلہ یہ تھا کہ یورپ مسلمانوں کے علم و ہنر اور سائنس و ٹکنالوجی کو سیکھ کر مسلمانوں کو اس میدان میں شکست دے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے اسلامی علوم کے اعلیٰ مراکز غرناطہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور سسلی (صقلیہ) وغیرہ کا رخ کیا اور وہاں بڑی محنت سے مسلمانوں کے علوم مثلاً عربی، ریاضی، طب، فلکیات، نجوم، فلسفہ اور سائنس و ٹکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ یہی وہ فیصلہ تھا جو سولہویں صدی کے اس عظیم واقعہ کا سبب بنا جس کو دنیا یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نام سے جانتی ہے۔

مسلمانوں کے علوم سیکھ کر بالآخر یورپ نے اتنی ترقی کر لی کہ چار سو سال کی جد و جہد کے بعد انڈسٹریل عہد میں اپنے کو داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب چار سو سال کے بعد یہی صورت حال برعکس شکل میں مسلمانوں کے سامنے تھی انھوں نے دیکھا کہ مغرب علوم و فنون اور سائنس کے میدان میں آگے بڑھ چکا ہے تو ان کے اندر مغربی علوم ان کی تہذیب و زبان حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا لیکن مسلمانوں کے حق میں وہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا جو یورپ کے حق میں ہوا تھا۔ ایک ہی نوع کے دو واقعوں میں انجام کا یہ فرق کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نتیجہ کا یہ فرق دونوں کی ذہنیت میں فرق کے سبب ہے۔ مغرب نے ہمارے علوم اس جذبہ کے تحت سیکھے کہ وہ ہمیں ان میدانوں میں شکست دے سکیں اور ہم آج ان کے علوم اس لیے سیکھ رہے کہ ہم ان کی نظر میں معزز بن جائیں اور مغرب کی نقالی کرنے لگیں، جہاں ذہنیت میں یہ فرق پایا جائے وہاں نتیجہ میں فرق پایا جانا لازمی امر ہے۔

اب اگر مسلمان اس میدان میں منظم کوشش کرتا بھی ہے اور سو سال کی محنت کے بعد اگر انڈسٹریل دور میں داخل ہونے میں کامیاب ہو بھی گیا تو مغرب نہ جانے کس سپر انڈسٹریل دور سے گذر رہا ہوگا لہذا سائنسی و صنعتی راہ سے یورپ کو فتح کرنا مسلمانوں کے لیے بے حد مشکل امر ہے لہٰذا ہمیں بھی میدانِ جنگ تبدیل کرتے ہوئے اب کوئی دوسری راہ تلاش کر لینی چاہیے۔

یورپ وامریکہ کی تسخیر کی راہ

مسلمان اپنے داخلی وخارجی انتشار اور مسائل کے سبب گذشتہ کئی صدیوں سے اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مادی وعلمی اعتبار سے ترقی یافتہ قوموں کو شکست دے سکے۔ اب اس کے لیے فتح یابی کا صرف ایک باب کھلا رہ گیا ہے اور وہ دعوت کا راستہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمی وسائنس میدان میں وہ پیش رفت نہ کریں بلکہ اس میدان میں مؤثر پیش قدمی کرتے ہوئے ہم دعوت کا راستہ اختیار کریں۔ ہم ان قوموں کو اپنا مدعو سمجھیں اور ان کے اندر دعوتی کوششیں تیز کردیں۔ قوم مسلم مادی و سائنسی اعتبار سے اگرچہ کمزور ہے لیکن نظریاتی قوت کے اعتبار سے ابھی بھی دنیا کی سب سے طاقتور ترین قوم ہے۔ تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ فاتح قوموں نے مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ان کے تمام تمدنی نشانات مٹا ڈالے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اس نے مفتوح قوم کے مذہب کو قبول کرلیا۔ اس کی واضح مثال سلجوقیوں، تاتاریوں، مغلوں اور ترکوں کا بکثرت اسلام میں داخل ہونا ہے۔ یہ وہ قومیں ہیں جنھوں نے اپنی وحشیانہ کارروائی سے پورے وسطی ایشیا کو تہہ وبالا کردیا تھا جہاں بھی اسلامی تمدن اور تاریخ کے نشانات تھے سب مٹادیے۔ جب مسلمان قید ہوکر ان کے یہاں پہنچے اور انہیں قریب سے مسلمانوں کی زندگی دیکھنے کا موقع ملا تب انہیں اسلام کی حقیقت سمجھ میں آئی اور کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ۶۰۰ رسال تک مسیحی طاقتوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی آہنی دیوار بنے رہے۔ اکیسویں صدی میں مسلمان ایک بار پھر دور مغلوبی سے گذر رہے ہیں ان کے تاریخی وتہذیبی نشانات کو مٹایا جارہا ہے۔ یورپ وامریکہ کے وحشی تاتاری ایک بار پھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں، لیکن قدرت الٰہیہ نے ان کے لیے جو انجام مقدر کردیا ہے وہ یہ کہ یورپ وامریکہ کے وحشی تاتاری ایک بار پھر مفتوح قوم کے مذہب کو قبول کرلیں۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب کسی سے انتقام لینے کے بعد انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوجاتی ہے تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے اپنے کیے ہوئے پر نادم ہوتا ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں ہر بلندی کے لیے پستی اور ہر کمال کے لیے زوال مقدر ہے سوائے ان نفوس کے جن کو اللہ نے ہمیشہ کے لیے بلند کیا۔

تاتاری قوم ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں منگولیا (چین) سے ظاہر ہوئی فطری طور پہ بڑی بہادر اور جنگ جو قوم تھی بدوی قبائل پر مشتمل یہ جنگجو قوم جس متمدن خطے سے گذر جاتی اسے ویران کر چھوڑتی میدانِ جنگ میں جب پیاس لگتی تو گھوڑے کی پشت پر خنجر مار کر خون چوس کر پیاس بجھالیتی، اس نے شاہِ خوارزم کی ایک غلطی پر خوارزم سمیت عراق، سمرقند وبخاری، ماوراء النھر سے لے کر مشرقی ہند تک کے سرحدی علاقوں کو تاخت وتاراج کردیا۔ ۲۰ لاکھ سے زائد مسلمان صرف عراق میں قتل کیے گئے۔ ان کے سروں سے میناریں تعمیر کی گئیں۔ جب ان کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو انھیں ہوش آیا، ہلاکو خان کا پوتا بڑکے خان اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوا اور اپنی پوری قوم کے ساتھ مشرف باسلام ہوگیا۔ یہی صورت حال جزوی طور پر اکیسویں صدی میں سوئٹزرلینڈ کی سوئس پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے معروف سیاست داں ''ڈینیل اسٹیچ'' (Danielsteich) پر صادق آتی ہے۔ اس نے سوئٹزرلینڈ میں مسجدوں کے میناروں پر پابندی لگانے کی آواز بلند کی تھی، پورے ملک میں مسلم مخالف شدت پسندی کے جزبات اُبھارنے میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

مشہور عربی انگلش چینل الجزیرہ کی طرف سے فروری ۲۰۱۰ء میں پیش کردہ رپورٹ کے مطابق اس کا ایمان بیدار ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔ بلا آمیز قرآنِ کریم کا تجزیاتی مطالعہ اس کے قبول اسلام کا سبب بن گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ قرآنِ کریم کا مطالعہ اس نیت سے کرے گا کہ میناروں کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی حمایت میں وہ قرآن سے دلائل حاصل کرے گا اور قرآنی تعلیم کی روشنی میں اپنے اسلام مخالف موقف کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں سے مباحثہ کرے گا۔ جب اس نے اس مقصد کے لیے نورِ ہدایت کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اپنی نیت کے برعکس وہ قرآنی آیات کا قائل ہوتا چلا گیا اور اسلام اس کی روح میں اترتا چلا گیا الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اسلام قبول کرنے کے بعد اس عیسائی سیاست داں نے کہا: اسلام نے مجھے زندگی کے کئی

اہم معاملات میں مثبت جواب دیا ہے، ان سوالات کے تشفی بخش جوابات میں نے عیسائیت میں نہیں حاصل کیے۔ سابق ڈینیل اسٹیچ اس وقت ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور پنج وقتہ نمازی ہے آج وہ خود میناروں پر پابندی کی شدت سے مخالفت کر رہا ہے اور یورپ کی سب سے خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے جو کہ سوئٹزرلینڈ کی پانچویں مسجد ہوگی۔

(ماخوذ از ماہنامہ گلستان رضا کلکتہ ج:۱، شمارہ:۱۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء)

اسلام دشمن فلم ساز کا قبول اسلام

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ''فتنہ'' نامی فلم بنا کر پورد نیا میں شہرت حاصل کرنے والے ہالینڈ کے فلم ساز اور ممبر پارلیمنٹ ارناڈ ڈوین ڈورن (Arnoud van Doorn) ان دنوں قبول اسلام کے سبب موضوع بحث بنے ہوئے ہیں ان کی بنائی ہوئی فلم ''فتنہ'' کے سبب ساری دنیا میں اسلام کے خلاف فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پوری دنیا کے اندر مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیے تھے مگر آج اسلام نے اس کے دل کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے اور کفر و شرک کی ظلمت کو مٹا دیا ہے اور آج وہ امت مسلمہ کا حصہ بن چکے ہیں۔

ڈورن کا شمار اسلام کے سخت مخالفین میں ہوتا تھا، ان کا تعلق ہالینڈ کی اسلام دشمن سیاسی جماعت فریڈم پارٹی سے تھا یہ پارٹی عموما ہالینڈ میں مسجدوں کی تعمیر اور اسلامی شعائر کی مخالفت کرتی ہے اس پارٹی کے کچھ ممبران نے مل کر ڈورن کے ساتھ فتنہ فلم تیار کی تھی مگر ان کے قبول اسلام نے سب کو حیرت میں ڈال دیا جب انھوں نے اپنے اسلام قبول کر لینے کے متعلق سے ٹویٹر پر لکھا تو لوگوں نے اسے مذاق سمجھتے ہوئے مزاحیہ تبصرے کیے لیکن رفتہ رفتہ حقیقت کھلتی گئی۔ ڈورن نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا کہا ہے کہ: میں اسلام کے تعلق سے غلط فہمی کا شکار تھا۔ میں اسلام کی تعلیمات کو مغربی پروپیگنڈہ کی نظر سے دیکھتا تھا، لہذا مجھے اسلام سے نفرت تھی اور اس لیے فتنہ فلم بنائی اس کے بعد میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا کیونکہ میرے اندر حقیقت جاننے کی چاہت تھی، میں نے قرآن اور پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ کیا، شریعت اسلامیہ مطالعہ میں رہی تقریبا ایک سال کی تحقیق کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اسلام کے تعلق سے جو نظریہ قائم کر رکھا ہے وہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام امن اور آشتی کا مذہب ہے جب سچائی میرے سامنے آگئی تو پھر اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ آئندہ ان کا پروگرام ہے کہ اب وہ اپنی زندگی کو اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کر دیں گے۔ اب ان کا ارادہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی پر ایک فلم بنانے کا ہے جس کے ذریعہ وہ فتنہ فلم کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں گذشتہ دنوں انہوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کا سفر کیا، عمرہ کیا اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے دعا مانگی۔ (ماخوذ: نئی دنیا دہلی ۲۰ تا ۲۶ رمئی ۲۰۱۳ء)

جینٹ جیکسن کا قبول اسلام اور مغرب میں اضطراب

دنیا کی مشہور عورتوں میں سے ایک، دنیا کی خوب صورت خواتین میں سے ایک، دنیا کی بہترین گلوکارہ، مائیکل جیکسن کی بہن جینٹ جیکسن، جس پر پورا امریکہ اور پورا یورپ فدا تھا، جس کے حسن کا جادو انسان کے سر چڑھ کر بولتا تھا جس کے گانوں کے سروں پر لوگ مدہوش ہو جاتے تھے، آج انہیں گانا گانے والے لبوں پر فقط ایک ہی نام ہے اللہ اللہ اللہ''۔

۱۶ رمئی ۱۹۶۶ء میں گیری انڈیانا میں پیدا ہونے والی اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی جینٹ نے نہ صرف بے شرمی سے مکمل کنارہ کشی کر لی ہے بلکہ برقع بھی اوڑھ لیا ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اسلام کے آغوش میں آگئی ہے۔

گذشتہ برس جینٹ نے ایک نجی تقریب میں اپنے امیر کبیر بوائے فرینڈ وصام المناء سے نکاح کرنے سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا، جینٹ کے قبول اسلام کا سبب بھلے ہی ان کے شوہر بتائے جا رہے ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے دل سے اسلام قبول کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ برقع نہ اوڑھتی اور نہ ہی انٹرٹیمنٹ بزنس کو الوداع کہتی۔ وصام المناء ددحہ قطر کے رہنے والے ایک خوبصورت اور سنجیدہ فکر انسان ہیں ان کا بزنس پوری دنیا میں المناء رٹیل گروپ کے نام سے پھیلا ہوا ہے تین ملکوں میں ان کے درجنوں محل نما گھر بھی ہیں اس بات کے پیش نظر مغربی میڈیا یہ ڈھول پیٹ رہا ہے کہ جینٹ نے المناء سے نہیں اس کی دولت سے شادی کی ہے مگر یہ صرف الزام تراشی ہے۔ جینٹ جیکسن جیسی دولت مند خاتون

کے لیے بعید ہے کہ وہ کسی دولت کی لالچ میں المناء سے نکاح کرے۔

جینٹ اسلام قبول کرکے خوش ہے، مطمئن ہے۔ اگر کوئی مضطرب ہے تو مغرب اور مغربی میڈیا۔ انہیں سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر ہماری خواتین کیوں جوق درجوق اسلام میں داخل ہورہی ہیں خاص طور پر مشہور ومقبول خواتین۔ مغرب یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر اسلام میں ایسا کیا ہے کہ ان کی عورتیں سب کچھ چھوڑ کر مسلمان ہورہی ہیں برقع اور عبا جس کو وہ غلامی کا طوق کہتے ہیں وہ طوق پہن کر عورتیں بے حد مطمئن اور خوش نظر آرہی ہیں اتنی کہ جتنی وہ پہلے کبھی نظر نہیں آئیں۔ (ماخوذ از نئی دنیا ۲۰ تا ۲۶ مئی ۲۰۱۳ء)

ٹونی بلیر کی سالی لون بورتھ کا قبول اسلام

۲۶؍ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی نے اس خبر کو شائع کیا کہ سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر کی نسبتی بہن (سالی) لون بورتھ مشرف باسلام ہوگئیں۔ لون ربورتھ پیدائشی طور پر کیتھولک عیسائی ہیں۔ انسانی حقوق کی علمبردار صحافی ہیں اور ایران کے انگریزی نیوز چینل پریس ٹی وی کے لیے کام کرتی ہیں ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر اس وقت سامنے آئی جب وہ عالمی امن اور اتحاد ۲۰۱۰ء کے پرچم تلے ایک ریلی میں شرکت کررہی تھیں ان کے قبول اسلام کا سبب اسلام کا روحانی نظام بنا ان کا کہنا ہے کہ چھ ہفتہ قبل مجھے ایران کے درگاہ میں جانے کا موقع ملا جہاں مجھے بہت مؤثر تجربہ ہوا اور میرا دل اسلام کی طرف پھر گیا اب میں پانچوں وقت نماز پڑھتی ہوں وقتاً فوقتاً مسجد بھی جاتی ہوں مزید یہ کہ ڈیڑھ مہینہ سے میں نے شراب نہیں پی ہے محترمہ بورتھ اب اپنا سر ڈھانپتی ہیں اور حجاب لگا کر باہر نکلتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ مستقبل میں میں برقع بھی پہن سکتی ہوں انھوں نے مزید کہا ممکن ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے سے تنازع پیدا ہو لیکن اسے کیا کہیے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔

برطانیہ میں مذہب تبدیل کرکے مسلمان بننے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب

روزنامہ راشٹریہ سہارا نئی دہلی، ۵؍ جنوری ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں پی ٹی آئی لندن کے حوالے سے ایک اہم معلوماتی تحریر شائع کی گئی ہے۔ اس کا عنوان ہے "ہر سال تقریباً ۵ ہزار برطانوی باشندے مسلمان بن رہے ہیں" مختلف مذاہب کے بارے میں ریسرچ کرنے والے ایک تھنک ٹینک نے اپنے ایک تفصیلی مطالعہ میں کہا ہے کہ برطانیہ میں گذشتہ دہائی کے دوران مذہب تبدیل کرکے مسلمان بننے والے برطانوی شہریوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ "فیتھ میٹرس" نام کے ایک تھنک ٹینک نے تبدیل مذہب کرکے مسلمان بننے والے برطانوی شہریوں کے بارے میں کہا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک ہوسکتی ہے اور ہر سال تقریباً ۵ ہزار لوگ مسلمان بن رہے ہیں حالانکہ اس مطالعہ سے پہلے تبدیل مذہب کرنے والے لوگوں کی تعداد ۱۴؍ ہزار سے ۲۵؍ ہزار کے درمیان بتائی گئی ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والوں کی یہ تعداد ظاہر کرتی ہے کہ امریکہ میں ۱۱؍ ستمبر ۲۰۰۱ء اور لندن میں ۷؍ جولائی کو ہونے والے حملوں کا تبدیلی مذہب پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا ہے بلکہ ان حملوں کے سبب اسلام کی طرف لوگوں کے رجحان میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۰ء تک ۵۰ ہزار خواتین مشرف باسلام

جہاں بلجیم اور فرانس جیسے ممالک مسلم خواتین کا تشخص مٹانے میں لگے ہیں اور برقع پر پابندی عائد کرکے خوش ہیں وہیں ان دنوں برطانیہ اور مغربی ممالک میں خواتین کے قبول اسلام کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔

اس تبدیلی مذہب کی خاص وجہ معاشرے میں خواتین کی روز بروز بڑھتی ناقدری اور انہیں متاع کوچہ وبازار سمجھنے کی ذہنیت بتائی جارہی ہے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی کے مطابق برطانیہ کے اندر اس رجحان میں کافی تیزی آئی ہے اور ۲۰۰۱ء میں ہوئی مردم شماری کے مطابق اسلام قبول کرنے والی برطانوی خواتین کی تعداد ۳۰؍ ہزار سے تجاوز کرچکی ہے اور اب یہ تعداد پچاس ہزار سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔ برطانیہ کا کہنا ہے کہ اس وقت چرچ کی ہفتہ وار مذہبی تقریب میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد کم ہوکر ۲ فیصد رہ گئی ہے اس کے برعکس سینٹرل لندن کی ریجنٹ پارک مسجد میں نماز کے لیے شریک ہونے والوں کی دوتہائی تعداد مسلم خواتین کی ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانوی خواتین بے حیائی کی زندگی پر باحجاب زندگی کو ترجیح دے

رہی ہیں۔ حالیہ دنوں میں اسلام قبول کرنے والی ۵ ر برطانوی خواتین میں سے ایک عقیلہ لنڈ سے نے کہا کہ اسلام میں آنے سے قبل مجھے لگتا تھا کہ مذہب ایک فرسودہ نظریہ ہے لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور اس کو با مقصد طور سے جینا چاہیے دوسری مسلم خاتون ''کیتھرین ہسلٹن'' نے کہا کہ ابتدائی دنوں میں قرآن نے میری فہم و دانش کو متاثر کیا۔ اس کے بعد میرے اور قرآن کے درمیان روحانی رشتہ قائم ہوگیا۔ میں یہ پڑھ کر حیران تھی کہ ۱۴۰۰ سال قبل قرآن نے عورت کو کیسے اہم حقوق دیے ہیں سکینہ ڈگلس نام کی ایک افریقی نژاد برطانوی خاتون کا بیان ہے کہ جب قرآن پڑھنے کے بعد میں نے پردہ کرنا شروع کر دیا تو مجھے بے انتہا مسرت ہوئی اور مجھے پہلی بار لگا کہ میں مردوں کی ہوسناک نگاہوں کے سامنے سجا ہوا دستر خوان نہیں ہوں بلکہ ایک باعزت خاتون ہوں۔ (ماخوذ از روزنامہ راشٹریہ سہارا نئی دہلی ۵ رجون ۲۰۱۰ء)

نائن الیون کے بعد امریکہ میں مطالعۂ اسلام کی لہر

۱۱ ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کے بعد امریکہ میں غور و فکر کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ ہر کوئی اسلامی کتابوں، جرائد و مجلّات، اسلام اور پیغمبر اسلام پر لکھی جانے والی کتابوں میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ان میں جو کتاب سب سے زیادہ توجہ و دلچسپی کا مرکز بنی ہے وہ قرآن ہے۔ نیو یارک، واشنگٹن، شکاگو اور نیو جرسی سے لاس اینجلس تک جن کتب خانوں پر قرآن شریف کے نسخے پچھلے کئی سالوں سے فروخت نہیں ہو ئے تھے وہ بہت جلد فروخت ہو گئے اور انہیں قرآن کے نئے ایڈیشن شائع کرنے پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے قرآن امریکہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن گیا۔ در اصل اس کے پیچھے یہ ذہنیت کارفرما ہے کہ آخر قرآن میں ایسی کیا بات ہے کہ جس کو پڑھنے کے بعد انسان دہشت گرد بن جاتا ہے، وہ جہاد کے نام پر انتہا پسندی کی حدوں کو پار کر جاتا ہے۔ آخر اسلام میں ایسی کون سی تعلیم دی گئی ہے جو انسان کو ایسے دہشت گردانہ اعمال کے ارتکاب پر آمادہ کرتی ہے۔ جب اس ارادہ سے وہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا مطلوب ملتا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اس کا سابقہ اس قسم کی آیتوں سے پڑتا ہے

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا یا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا۔ (المائدۃ آیۃ: ۳۲)

تو اسلام کی جاں بخش تعلیم کا اسیر بن جاتا ہے۔ قرآن اس کے فکر و شعور کو جھنجھوڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

معروف پبلشر (Penguin book) نے ۱۱ ر ستمبر کے واقعہ کے بعد قرآن کریم کے ۲۰ ہزار سے زائد نسخے تقسیم کیے۔ امریکی اخبار یو ایس اے ٹوڈے (USA Today) نے لکھا تھا: لوگ اسلام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اور اس رجحان نے امریکہ میں قرآن میں کو سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بنا دیا ہے کیوں کہ امریکہ کے غیر مسلموں نے محسوس کیا ہے کہ ایک مسلمان یا کوئی اور شخص اس کتاب کا کوئی بھی صفحہ کھول کر اس سے زندگی کا کوئی نہ کوئی راز جان سکتا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے پبلک اسکولوں میں بچوں کو قرآن کی آیات زبانی یاد کرنے کو کہا گیا۔ اور خفیہ ایجنسی ایف بی آئی کے افسران کو اسلام سے روشناس کرایا جانے لگا ہے۔

(اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات از: آئی اے ابراہم ص: ۱۹۶، مطبوعہ دار السلام، پاکستان)

لاطینی امریکی تارکین وطن اسلام کی آغوش میں

میکسیکو سے لے کر براعظم جنوبی امریکہ کے انتہائی جنوبی ممالک ارجنٹینا اور چلی تک کا خطہ لاطینی امریکہ کہلاتا ہے۔ ۱۴۹۲ء میں کولمبس کے ذریعے امریکہ کی دریافت کے بعد اسپین اور پرتگال کے استعماری قبضہ کے سبب یہاں ہسپانوی (Spanish) اور پرتگالی (Portuguese) زبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ لاطینی الاصل ہیں۔ غربت و افلاس کے شکار لوگ بہتر مستقبل کی تلاش میں ہر سال شمالی امریکہ خاص طور سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا رخ کرتے ہیں ان میں بہت سے لوگ یہاں آکر اسلام سے متعارف ہوتے ہیں اور حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے ہیں۔

چند سالوں قبل واشنگٹن پوسٹ نیوز سروس کے حوالے سے روز نامہ ''ڈان'' نے ریاستہائے متحدہ امریکہ (USA) میں آباد لاطینی ترکین وطن کے قبول اسلام کے بارے میں ایک ہندو صحافی سدرشن رگھون کی ایک رپورٹ شائع کی جس کے اقتباسات ذیل کی سطور میں ملاحظہ کریں:

''امریکہ میں لاطینی تارکین وطن اسلام کے ذریعہ سے از سر نو اپنی شناخت قائم کر رہے ہیں۔ واشنگٹن کے علاقے میں ان نومسلموں کی تعداد چند سو ہے اور اسلامی تنظیموں کے مطابق پورے ملک میں ان کی تعداد ۴۰ تا ۷۰ ہزار ہے۔ ترک وطن سے پہلے وہ اپنے ملک میں (کیتھولک مسیحیت کے حلقہ بگوش ہونے کے باعث) دوسرے نظریات سے یکسر بے خبر رہتے تھے۔ مگر امریکہ آکر ان کے لیے قرآن مجید کے تراجم، اسلامی جرائد اور ویب سائٹس کے ذریعہ اسلام کے متعلق جاننا کہیں آسان ہوگیا ہے۔ ۱۱ر ستمبر کے بعد امریکہ میں جیسے ہی وہ اسلام قبول کرتے ہیں، انھیں اسلام پر قائم رہنے کیلیے بہت جدو جہد کرنی پڑتی ہے اور مسیحی اکثریت کی طرف سے مخالفت اور تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعتراف ات ص:۲۰۶-۲۰۴، مطبوعہ مکتبہ دار السلام سن اشاعت ۲۰۰۷ء)

اسپین میں اسلام کی واپسی

اسپین (اندلس) مشرقی یورپ کا وہ خوبصورت اور خوش حال ملک ہے جس کی پیشانی پر مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ عظمتِ رفتہ کے نقوش ثبت ہیں۔ مسلمانوں کے دور حکومت (۹۲ھ/۷۱۱ء تا ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۲ء) میں اسپین علم و دانش اور فکر و فن کا مرکز تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یہاں سے مغرب کو منتقل ہونے والے سائنسی علوم ہی یورپ کی نشأۃ ثانیہ کا سبب بنے۔

ایک ہسپانوی ماہر مارٹینو کا خیال ہے کہ آئندہ چند برسوں میں اسپین یورپ میں سب سے زیادہ آبادی والا ملک بن جائے گا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اسپین کے نومسلموں میں قدیم عربوں کی اولاد بھی شامل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سقوطِ اسپین کے وقت ان کے آباؤ اجداد کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا تھا۔ بطور ثبوت وہ اپنی آنکھوں کی سیاہ رنگت کو پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اصل ہسپانوی باشندوں کی آنکھیں بھوری ہیں۔ خونِ عرب ایک بار پھر ان کی رگِ حمیت کو گرمارہا ہے۔ اور انھیں اپنی اصل کی طرف واپسی پہ مجبور کر رہا ہے۔

ایک میگزین کی رپورٹ کے مطابق حالیہ چند برسوں میں اسپین میں ۲۰ ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے۔ صرف غرناطہ میں ایک ہزار عیسائی اسلام کے دامن میں آچکے ہیں۔ سقوطِ اسپین (۱۴۲۹ء) کے بعد وہاں بچ جانے والے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنالیا گیا تھا اب انھیں کی اولاد تیزی سے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعتراف ات ص:۲۰۱، بحوالہ نوائے وقت' لاہور ۱۷ر اکتوبر ۲۰۰۵ء)

تاریخ کا تسلسل اور بکثرت رونما ہونے والے حوادث و واقعات اس بات کا اشارہ دے رہے ہیں کہ آئندہ سو برسوں میں دنیا کے نقشہ پر اگر کسی مذہب کو اکثریتی مذہب ہونے کا شرف حاصل ہوگا تو وہ اسلام ہو گا۔ کیونکہ صرف اسلام کے دامن میں یہ گنجائش ہے کہ وہ گوروں کے ساتھ کالوں، امیروں کے ساتھ غریبوں اور سماج کے ہر طبقات کے لوگوں کو اپنے اندر جذب کر سکے۔ رنگ و نسل، لسانی و تہذیبی عصبیت سے پاک اس مذہب میں ہر ایک کے لیے کیساں کشش موجود ہے۔ مادیت اور خواہش پرستی کی طوفان بدتمیزی میں روحانیت کا جام پلانے والا صرف اسلام ہے۔ عورتوں کی عصمت صرف اسلام میں محفوظ ہے۔

مغرب تمام تر مادی وسائل کے باوجود بے چین و بے اطمینانی کی زندگی گذار رہا ہے۔ اس کا خاندانی نظام بکھر چکا ہے۔ اب اسے سکون کی تلاش ہے۔ مگر سکون ملے تو کیسے؟ عیسائیت کا کلیسائی نظام خود دم توڑ چکا ہے۔ گرجا گھروں میں خاک اُڑ رہی ہے۔ معابد ویران ہیں۔ تثلیث کے عقیدہ نے عیسائیت کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ اب بیساکھی کے سہارے زیادہ دنوں تک اس کو چلایا نہیں جاسکتا۔ اب تعقل پرستوں کو کس متبادل مذہب کی تلاش ہے جس کے دامن میں اسے روحانیت نصیب ہو سکے۔ ایسے موافق حالات میں جسے قدرت کئی سو سال کے بعد پیدا کرتی ہے۔ اہل اسلام پر اس عہد کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ اس کے پاس جوابدی صداقت ہے اور جو دین تمام آمیزشوں سے پاک ہے اسے بلاکم و کاست خدا کے بھٹکے ہوئے

بندوں تک موجودہ وقت کے معیار کے مطابق پہنچائیں۔

آج مسلمان پوری دنیا میں مدعو قوموں کے ساتھ غیر ضروری نزاعی اُمور میں الجھے ہوئے ہیں اور اپنے عمل سے اسلام کو جنگ کا مذہب بنائے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں ایک بڑا امکان واقعہ بننے سے اس لیے رہ گیا کہ اسلامی قیادت کے نام پر، القاعدہ، طالبان، حزب المجاہدین، لشکر طیبہ اور جیش محمد جیسی غیر سرکاری مسلح تنظیمیں وجود میں آگئیں اور جہادِ اسلامی کے نام پر حکومتوں سے جنگ چھیڑ دی گئی۔ کچھ شر پسند اسلام دشمن عناصر نے ان تنظیموں سے منسلک افراد کی ذہن سازی اس انداز میں کی کہ غیر اسلامی حکومت ان کی نظر میں اس قابل ہوگئی کہ اسے فوراً مٹا دیا جائے۔ اور اس کی جگہ حکومت اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا جائے، نہ حالات کو دیکھا نہ تاریخی تسلسل کو بس ہر غیر مسلم حکومت کے خلاف مسلح جہاد شروع کر دی۔ کرتا، پاجامہ، عمامہ اور ٹوپی میں ملبوس داڑھی والے مجاہدین جب ٹی وی چینلز کی اسکرینوں پر مسلح جہاد کرتے ہوئے نظر آئے تو پوری دنیا میں ان کی شبیہ انتہا پسند اور دہشت گردانہ عمل انجام دینے والے کی شکل میں متعارف ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہی اکثر مسلمانوں کی شبیہ بن گئی۔ اب جہاں اس حلیہ کے آدمی نظر آئے ان کو اسی فریم ورک میں دیکھا جانے لگا۔ اب بجائے اس کے کہ اسلام کی طرف لوگوں کی واپسی ہوتی پوری دنیا کے غیر مسلم اقوام اسلام سے برگشتہ اور مسلمانوں سے متوحش ہوگئیں۔ اور یورپ کے اسلام کی طرف آنے کا اتنا بڑا امکان دہشت گردانہ عمل کے ارتکاب کے سبب واقعہ بننے سے رہ گیا۔

دورِ شرک اور دورِ جمہوریت کا فرق

قدیم زمانہ میں پوری دنیا کے اندر شرک کا غلبہ تھا، مشرکانہ عقائد لوگوں کے ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ اصل خدا کو چھوڑ کر مظاہر فطرت کو خدا بنائے ہوئے تھے۔ جب دور اسلام آیا تو اس نے شرک کو مغلوب کر کے توحید کو غالب فکر بنا دیا۔ پچھلے زمانہ میں شرک کو سرکاری مذہب کا درجہ حاصل تھا۔ لہٰذا شرک کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کرنا سیاسی قوتوں کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہزار سالہ عمل کے بعد انسان کو اس دور میں داخل کر دیا کہ شرک اب انسان کا سیاسی عقیدہ نہیں رہ گیا وہ دور جمہوریت کا دور ہے جس میں انسان کو فکری اور مذہبی آزادی حاصل ہے اب بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف سے ٹکراؤ کے وہ سارے امکانات ختم ہو گئے جو دورِ شرک میں پیش آسکتے تھے۔ لہٰذا دعوت کا عمل پہلے سے کہیں زیادہ دورِ جمہوریت میں آسان ہو گیا ہے۔ پہلے اسلام قبول کرنے کے بعد حکمرانوں سے ٹکرانا پڑتا تھا اب صرف اپنے خاندان یا خویش واقارب سے نمٹنا ہوتا ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں چونکہ اب بھی سماجی ومذہبی بندھن میں لوگ کسی حد تک بندھے ہوئے ہیں اس وجہ سے یہاں اسلام قبول کرنے والوں کو مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یورپی ممالک میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس لیے اسلام ان خطوں میں تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

اب اگر دور جمہوریت میں ہم دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام نہ دیں تو یہ نعمت الٰہی کی انتہائی بے قدری ہوگی اور اس امکان کو ضائع کرنا بھی ہوگا جو قدرت نے ہزار سالہ عمل کے بعد ہمیں فراہم کیا ہے۔

آج کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام کے تعارف پر مشتمل لٹریچر سادہ وعقلی انداز میں تیار کر کے مفت تقسیم کیے جائیں۔ قرآن مجید کے تراجم ہر غیر مسلم کے گھر میں بطور تحفہ پہنچائے جائیں۔ حکمراں طبقہ سے لے کر عوام تک اسلام کی پر امن تعلیمات پہنچائی جائیں۔ جو تنظیمیں مسلسل مسلمانوں کے خلاف کام کر رہی ہیں مثلاً بجرنگ دل، شیوسینا، وشوہندو پریسد وغیرہ ان کے آفسوں میں بھی اسلام کے تعارف پر مشتمل کتابیں بھیجی جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ تاتاری اور سلجوقی جیسے وحشی لوگوں کے دل ایمان کی طرف پھیر دیتا ہے تو ان مخالفین اسلام لوگوں کے دل بھی اسلام کی طرف پھیر سکتا ہے۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ دین کی تقویت کا کام صرف پیدائشی مسلمانوں سے لے۔ بلکہ اپنے دین کی تائید نئے نفوس کو اسلام میں داخل کر کے بھی کرتا ہے۔

00000

☆ سابق پرنسپل، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی

صبر و رضا

امام حسین رضی اللہ عنہ کا پیغامِ تسلیم و رضا

علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی (ایم اے) سج

اللہ تعالیٰ کا بے مثل شاہکار انسان کی دوستی خواہ دوسرے انسان سے ہو یا کسی قریبی سے۔ اس کا عام مزاج کچھ اس طرح ہوتا ہے۔

''جب ہمارے یہاں آؤ گے تو کیا لاؤ گے اور جب ہم تمہارے یہاں جائیں گے تو کیا کھلاؤ گے۔'' ہر چیز کی دوستی میں پہلے اپنا فائدہ تصور کیا جاتا ہے بلکہ اپنا فائدہ ہی دیکھا جاتا ہے۔ دوستی دوسروں کو فائدہ پہنچانے یا دستور کو باقی رکھنے کے لیے نہیں کی جاتی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا۔ حضور! آج کل دوست نہیں ملتے۔ آپ نے فرمایا کیا اس لیے دوست نہیں ملتے کہ تم انکی حمایت و غمخواری کرو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی وقت کے اس عام مزاج سے شکایت تھی۔

آج اسلام سے دوستی کرنے والے دستورِ اسلام کی حمایت کا دم بھرنے والوں کی اسلام دوستی کی عام روش بھی ایسی ہی ہے اور یہی جذبہ ہے جو مسلمانوں کے منہ سے اس قسم کی آواز نکلواتا ہے۔ اگر مسلمان خدا کی برگزیدہ اور محبوب مخلوق ہے۔ اگر اسلام رب العالمین کا پسندیدہ مذہب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان دنیا کے مصیبت زدوں میں سب سے زیادہ مظلوم اور درماندہ ہیں۔

مذکورہ بالا جملوں میں سے خود غرضی کی بو صاف محسوس کی جاسکتی ہے حالانکہ اسلام دوستی کا ایک بہت ہی بلند اور وقیع مقصد یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اسلام ایک حقیقت ابدی ہے۔ اسلام ایک خالص سچائی ہے۔ اسلام انسان کی فطری حالت ہے اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی شہادت دی جائے۔ سچائی کو اجاگر کرنا ہی سب سے اہم مقصد حیات ہے اور حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھا دینا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ اسی لیے اسلام کی صداقت کی بنا پر اسکا جاری اور نافذ کرنا ہی اسکی دوستی کا سب سے بڑا مقصد ہے اور قرآن عظیم نے بھی ہر اسلام دوست کا یہی امتیازی کارنامہ بتایا ہے۔

اے مسلمانو! تمہارا یہی امتیازی نشان ہے کہ تم اسلام کے قیام و نفاذ کی کوشش میں ہر دم لگے رہو۔ اور حق یہ ہے کہ جس دن مسلمان نے اسلام کو اس نظریے کے ساتھ اپنایا تو دنیا کے سارے مصائب کے بارے میں اس کا انداز فکر بدل جائے گا۔ عمل کی راہیں متغیر ہو جائیں گی اور اس کی ہر حرکت و سکون میں ایک تازہ روح دوڑ جائے گی۔ اور وہ سچ مچ اس راز کو پالے گا کہ زخم کھا کر رونا بھی ٹھیک ہے۔ لیکن مسکرانے میں کچھ اور ہی لذت ہے۔ گالی کا جواب گالی سے بھی دیا جاسکتا ہے لیکن دعا دینے کی چاشنی کا کیا کہنا اور وہ یہ سمجھ جائے گا کہ مال جمع کرنا اور اس سے کسی کے احسان کا بدلہ چکانا بلا شبہ اچھا کام ہے۔ لیکن بلا غرض دیگر مسائل کے لیے دعائے خیر کرنے میں جو کیف ہے وہ دعا لینے میں کہاں۔

حتیٰ کہ وہ نقد جان دے کر بھی سوچے گا کہ چلو منافع ہی رہا۔

سکندر لوٹ کر بھی خوش نہیں دولت زمانے کی
قلندر مایہ ہستی لٹا کر رقص کرتا ہے

کیونکہ یہ حقیقت سامنے آجائیگی کہ جب بھی انسان نے کوئی خود ساختہ مادی انقلاب لانا چاہا کسی ایک مملکت کا نقشہ بدلنا چاہا، تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ نیزوں کی انیاں چمکنے لگیں قسم قسم کے بموں سے دھرتی کا کلیجہ پاش پاش ہونے لگا بلکہ دنیا کے نقشے پر نئی لکیریں کھینچنے سے پہلے سرخ پر خون کے سمندر سے حد بندی کرنی پڑتی ہے۔ بالفاظ دیگر مادی آزادی کا سورج اپنے پرستاروں کے خونی سمندر سے ہی سر اُٹھا کر مسکراتا ہے اور شہنشاہ حریت اپنے پجاریوں کی لاش پر اپنا تخت عظمت سے بچھاتا ہے۔ پھر جب دنیا کے مادی انقلابوں کا یہ حال ہے۔ فانی دستور کی دوستی اتنی قربانی چاہتی ہے تو اسلام کائنات کی جو ہستی کے داغدار چہروں کو صاف کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ اسلام ایک نیا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ ایک حیات بخش انقلاب لانا چاہتا ہے۔ زندگی کی فطری

قدروں کو اُبھارنا چاہتا ہے اور ایک محکم اور بے مثال زندگی کا پروگرام نافذ کرنا چاہتا ہے۔

پس اسلام کا حمایتی اور اس کا دوست بھی جب اسلام دوستی کے اس بلند مقصد کے ماتحت اس کے نفاذ و قیام کا عمل لے کر اٹھے گا تو کیا کچھ حوادثات کا سامنا نا کرنا پڑے گا۔ تلواروں کی بجلیاں نہ کوندیں گی، برچھیوں کے ستارے نہ چمکیں گے۔ حوادثات کی موجیں نہ بلند ہوں گی، بغاوت کی آندھیاں نہ آئیں گی اور حق تو یہ ہے کہ پرستاران اسلام کے خلاف طوفان کا زیادہ امکان اور حوادثات کا زیادہ خطرہ ہے کیونکہ دنیا کا ہر نظام اپنے ماحول کے ساتھ سازگاری کر سکتا ہے اردگرد سے صلح کر سکتا ہے لیکن اسلام میں زمانہ کے ساتھ سازگاری کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اسلام ماحول کا پابند نہیں یہ اپنا ماحول خود پیدا کرتا ہے۔ خواہ اس کی قیمت کچھ ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

بنا لیتا ہے اکثر خون دل سے اک چمن اپنا
وہ پابند قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

دستورِ کائنات ہے جو اسلام کا جتنا ہی حامی ہوگا وہ اتنا ہی مبتلائے مصائب ہوگا۔ اسے ہر فرسودہ نظام سے ٹکر لینی ہوگی۔ مخالف تھپیڑوں سے اطمینان ہوگا۔ ہادیوں میں سب سے مکرم انبیا کرام جو سب سے زیادہ مبتلائے مصائب۔ پھر اسی تناسب سے جو یقینا بڑا حمایتی ہوگا۔ اسی مقدار سے مبتلائے آلام ہوگا۔

خود اسلام نے بھی جا بجا اپنے پرستاروں دوستوں اور حمایتوں، محبت کا دم بھرنے والوں سے اسی قسم کا مطالبہ کیا ہے اور تنبیہ بھی کی ہے کہ ایمان والے یہ سمجھتے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے اور اقرار کر لینے سے ان کی نجات ہو جائے گی۔ وہ آزمائے نہ جائیںگے۔ ہم ضرور ان کو خوف، بھوک اور مال کے نقصان نیز جانی اور اعزازی تکلیفوں کے ذریعہ آزمائیں گے۔ یہ تو دستور رہا ہے۔ گذشتہ دین داروں کو بھی مرض فقیری اور دشمنوں کی عداوت نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہ خوب جھنجھوڑے گئے تھے، لہٰذا تم بھی انہیں منازل سے گزر کر جنت پہنچ سکتے ہو۔

پس یہ امر خوب روشن ہو گیا کہ اسلام لانے کے بعد سمجھنا چاہیے کہ مصائب کا خاتمہ ہو گیا اور اب ہمیں دنیا ہی میں جنت دے دی گئی ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ مزید شدائد و مخالفت کے طوفان کو آزادی دے دی گئی اور گویا مصائب کو ایک طرح کا چیلنج کیا گیا۔

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

ہاں اسلام سے پہلے انسان بزدل تھا۔ مصائب کے مقابلہ کی اس میں تاب نہ تھی اور اب اسلام نے اسے طوفانوں سے کھیلنے کا عادی بنا دیا ہے اور اسے حوادثات سے دوچار ہونے میں مزہ آتا ہے۔

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

جب ہم اسلام اور اسکے سچے حمایتوں کے متذکرہ بالا مؤقف کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں اسلام کی تاریخ کے اس خونی ورق پر کوئی اچنبھا نہیں ہوتا جس کی روشنائی کے لیے خاندان رسالت کا خون نچوڑا گیا اور کربلا کی زمین منتخب کی گئی۔

اللہ اللہ! صبح کربلا کا یہ ہوشربا نظارہ۔ جس گلے کو پیغمبر اسلام ﷺ کے لب فرط محبت میں چومتے اس کو زبان خنجر نہایت بے باکی سے چاٹے۔ جس لب کو حضرت محمد عربی ﷺ بوسہ دیں عبید اللہ بن زیاد کی چھڑی کو اس کے ساتھ گستاخی کی جرأت ہو۔ جو رسول اللہ ﷺ کے کاندھوں پر سوار ہو اور نبی رحمت ﷺ اس ادائے دلبری کی داد دیں۔ ”نعم الراکب“ بڑا پیارا سوار ہے۔ اسی جسم کو گھوڑے روندیں۔ بلکہ تین شبانہ روز بے گور و کفن پڑا رہے جس کی عصمت کے دروازے پر فرشتے اجازت لے کر قدم رکھیں انہیں قیدی بنایا جائے۔ اتنا بڑا ظلم وقت کے سب سے مقدس انسان اور ایک سچے مسلمان بلکہ بانی اسلام ﷺ کے جگر گوشہ کے ساتھ جو تمام کرامتوں کا مستحق، تمام آسائشوں کا اہل اور جائز عیش و عشرت کے لائق ہر طرح ہو۔

لیکن اسلام دوستی کہتی ہے ایسا ہونا ہی تھا۔ اگر وادی نینوا سے امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ صحیح و سالم لوٹ آتا تو اسلام دوستی کا کارواں لٹ جاتا۔ اگر امام مظلوم دس محرم 61ھ کی شام تک زندہ رہتے تو اسلام کی محبت مرجاتی اور خود شجر اسلام کی ڈالیاں سوکھ جاتیں۔ پتیاں جھڑ جاتیں اور پھول مسکرانا چھوڑ دیتے۔ اسی لیے کربلا کا قائم ہونا

ضروری تھا۔

اور یہ سچ ہی تو ہے کہ معرکہ کربلا کے ایک ایک واقعہ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اسلامی دستور سے وفاداری کا مقصد دنیا میں اپنا ذاتی فائدہ نہ تھا بلکہ اسلام کا نفاذ اور اس کی حمایت ہی انکی اسلام دوستی کی اصل غایت تھی۔اس لیے تمام مصائب کو آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ ایک زانی اور شرابی حدود اللہ کو بری طرح تہس نہس کر رہا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ قیصر وکسریٰ کی ملعون و مکروہ آمریت کا مہلک انجکشن بھی برابر خلافت اسلامیہ کے جسم میں داخل کر رہا ہے تو سب سے پہلے آپ ہیں جنہوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور باوجودیکہ حضرت عبد اللہ بن حضرت عباس بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور تمام بہی خواہوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا اور طرح طرح کے اندیشے آپ کے سامنے رکھے لیکن جس سردار اسلام کے دل میں اسلام دوستی کا مقصد صرف حمایت اسلام ہو وہ خطرات کو خاطر میں کیسے لاتا۔خصوصاً جب کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ ظلم کی اس آندھی کے مقابلہ میں تمام سر جھک گئے ہیں۔اسلام کی اکثریت نے جبراً قہراً یا برضا و رغبت اپنی مہار ایک ظالم کو سونپ دی ہے۔زبانوں نے آمنا وصدقنا کہا اور ہاتھوں نے بیعت کی۔کچھ جانچ رہے ہیں خاموش ہیں اور وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔اس حال میں ایک ٹمٹماتی ہوئی روشنی اہل کوفہ کی طرف سے نظر آئی۔لیکن جب آپ نے اعلان حق فرمایا تو اس وقت بجلیاں کوندی ہیں اور تارے ٹوٹے ہیں۔آج طاغوتی طاقتیں میرے خلاف گھٹا بن کر اُٹھیں گی اور بادل بن کر چھائیں گی اور مجھے زخم کھا کر مسکرانا ہی پڑے گا اور یہ تو اس کوچہ کا پرانا دستور ہے

عشرت قتل گہہ تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے تلوار کا عریاں ہونا

اور کربلا کے میدان میں وہی ہوا۔آسمان نے آگ برسانی شروع کی۔زمین لاوا اگلنے لگی۔بھوک نے ارادے کو شکست دینی چاہی۔پیاس نے ولولوں کو دبانا چاہا۔اور بدبخت شامیوں کی فوج نے ہر طرف سے نرغہ کر لیا۔تلواریں سونت لی گئیں۔اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ کسی طرح حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات وقرار میں لغزش آجائے۔مگر اس سارے طوفان کے کرب و بلا میں وہ صبر و استقامت کا پہاڑ اپنی جگہ مسکراتا رہا۔زخم کھاتا رہا۔تکلیف اٹھاتا رہا اور دعا دیتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

حضرت قاسم سا نوجوان بڑے بھائی کی یادگار سامنے ہی تلوار کھا کر "یا عماہٗ" اے چچا جان کہتا ہوا گرتا ہے۔آپ قریب پر پہنچے تو بھتیجے نے آنکھ کھولی اور کہا چچا جان پانی اس سے زیادہ جگر گداز سانحہ کیا ہو گا۔دم توڑتے ہوئے بھتیجے کو پانی نہیں پلا سکتے۔مگر کیا امام مظلوم نے فریاد کی؟ نہیں نہیں بلکہ جرأت واستقلال دیکھو۔فرمایا جان برادر! اب آپ کوثر سے سیراب ہونا اور انہیں اس طرح اٹھالائے کہ سر کندھے پر اور پیر زمین پر گھسٹ رہے تھے۔

اس سے فرصت ملی کہ دوسرا قیامت خیز منظر سامنے تھا۔چھ ماہ کی ننھی جان "علی اصغر" شدت پیاس سے زبان باہر نکالے ایڑیاں رگڑ رہے تھے اس خیال سے کہ شاید اس بے گناہ کی بیکسی پر ظالموں کو رحم آئے۔یزیدی فوج کے سامنے لے گئے اور انکی حالت زار دکھا کر پانی طلب فرمایا۔جواب میں ایک سنسناتا ہوا تیر آیا۔بچے کے گلے کو پار کرتا ہوا امام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔اللہ اللہ رے مصائب جھیلنے کی جرأت! بے جان پھول واپس لا کر ماں کی گود میں ڈال دیا اور فرمایا! لو خدا نے ہماری چھوٹی قربانی بھی قبول کر لی۔اب علی اصغر کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔

بھائی بھتیجوں اور بھانجوں کے زخم ہی کیا کم تھے کہ یہ ایک مزید المناک داغ بھی اٹھانا پڑا۔18 برس کا کڑیل نوجوان "علی اکبر" ہزاروں دشمنوں سے الجھتا ہوا نظر آ رہا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بد نصیب کی برچھی سینہ سے پار ہو جاتی ہے آپ دوڑے اور مارتے کاٹتے جب قریب پہنچے تو نعش مبارک کے ٹکڑے اُڑ چکے تھے۔نعش کی طرف رخ کر کے فرمایا! جان پدر مجھ سے پہلے ہی رخصت ہو گئے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے عرض کی۔مولیٰ تو میرے صبر وضبط کا انتہائی امتحان لے رہا ہے لیکن میں تیرے رسول ﷺ کا ہی نواسہ ہوں۔اس ابتلا میں انشاء اللہ میرے قدموں کو لغزش نہ ہو گی۔

اب آپ کے خاک وخوں میں تڑپنے کا بھی وقت آ ہی گیا۔جن تلواروں کی پیاس پورے خاندان رسالت کا خون چاٹ کر بھی نہ بجھی

تھی، وہ اپنے آخری گھونٹ کے لیے اور بے قرار ہوگئی۔اور جب آپ کی طرف سے کوئی ایسا بھی نہ رہ گیا کہ آپ کی طرف سے ایک پتھر بھی پھینک سکے۔اب کتنا دلدوز نظارہ تھا۔آپ درمیان میں کھڑے اور بدبختوں نے ہر طرف سے آپ کو نشانہ بنا لیا تھا۔اسی حال میں ایک تیر آپ کی پیشانی انور پر لگا۔سارا جسم پہلے ہی لہو میں تر بتر تھا۔اب آپ نے تیر پیشانی سے کھینچا تو خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اس عالم میں بھی آپ کامل استقلال کے ساتھ چہرۂ انور پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے ! آج اسی سرخروئی کے ساتھ بارگاہِ احدیت اور دربارِ رسالت میں حاضر ہونگا اور اپنا حال دکھاؤں گا۔

گویا اس ساری روداِدالم میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ امام مظلوم کی اسلام کے ساتھ کامل وفاداری اور ہر حال میں حق کی حمایت ہے۔ساتھ ساتھ مصائب کی محیر العقول برداشت بلکہ خندہ پیشانی سے ہر درد والم کا استقبال کرنا جیسے انکو سب کچھ پہلے ہی معلوم تھا اور وہ اسی قربانی کے لیے تیار ہوکر ہی آئے تھے۔

ہم اپنے مضمون میں یہی واضح کرنا چاہتے تھے کہ اسلام تقدیر کے نوشتوں کے بدلنے کا دعویدار نہیں۔مصائب کے طوفان کا دھارا موڑ دینے کا مدعی نہیں۔لیکن اسلام مصائب سے کھیلنا ضرور سکھا دیتا ہے۔بلا کے ساتھ تباہ کرنے کا ڈھنگ البتہ بتا دیتا ہے اور آلام کے مقابلہ کے لیے ایک عجیب نکتہ نگاہ ایک عجب انداز مشرب ضرور عطا کرتا ہے۔

آج بھی اسلام دوستی کے ثبوت کے لیے وقت کے یزید سے نبرد آزما ہونا غلامانِ امام حسین رضی اللہ عنہ پر فرض ہو چکا ہے۔امریکہ واس کے گماشتے پھر سے حدود اللہ کی پامالی اور ملتِ اسلامیہ کو دستور اسلام سے ہٹانے کے لیے میدان میں اتر چکے ہیں۔غمِ حسین رضی اللہ عنہ میں رونا عبادت ہے مگر کردار حسین رضی اللہ عنہ کو اپنانا ریاضت ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ ناز ونعم میں نشو نما پا کر مصائب وآلام سے ٹکرا گئے اور تاریخ عالم میں نیا باب رقم کیا جو نہ پہلے تھا اور نہ قیامت تک پھر رقم ہوگا۔آیئے ''امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیغام صبر ورضا'' کو عام کریں تاکہ یزیدی قوتیں اپنے انجام کو پہنچیں۔

dddddddddddddd

خوش خبری

تفسیر خزائن العرفان کا ترجمہ اب فرنچ زبان میں

تفسیر خزائن العرفان جو امام الہند حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین قادری علیہ الرحمہ کا بے مثال علمی شاہکار ہے۔جس نے پچھلی ایک صدی سے ملت اسلامیہ کے عقائد ومعمولات کی پاسبانی بحسن وخوبی فرمائی ہے۔جس کے عالمانہ وعارفانہ نکات رازی وغزالی کی یاد دلاتے ہیں۔جو اہلِ سنت وجماعت کی نمائندہ تفسیر کے طور پر پورے برصغیر ہند وپاک کے ساتھ ساتھ بیرون ممالک کے تمام اردو خواں طبقے میں مشہور ومعروف ہے اب یہ مایہ ناز تفسیر انٹرنیشنل زبان میں ایک اہم مقام رکھنے والی فرنچ زبان میں منتقل ہو رہی ہے۔یعنی تفسیر خزائن العرفان کا فرنچ ترجمہ کیا جا رہا ہے جو اس کی مقبولیت کی کھلی نشانی ہے۔

اس اہم کام کو انجام دینے کے لیے قدرت نے خطہ افریقہ کے ایک خوب صورت ملک موریشش کی ایک بڑی علمی شخصیت مفکر قوم وملت حضرت علامہ مولانا محمد ہارون حسن صاحب کا انتخاب کیا ہے۔موصوف اپنے ملک کی ایک اہم علمی شخصیت کے طور پر شناخت رکھتے ہیں اور تعلیمی وسیاسی میدان میں بھی ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔اللہ کریم نے بڑی عزت ووقعت سے نوازا ہے۔تفسیر خزائن العرفان کے مطالعے کا بے حد شوق رکھتے ہیں، صاحب لسان ہیں اردو، عربی، فارسی، انگریزی، فرنچ، کریول جیسی کئی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں، انگریزی وفرنچ میں کئی تصنیفات منظر عام پر آکر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔حضرت موصوف سے فقیر [غلام مصطفیٰ نعیمی] کی ملاقات بڑی مبارک ثابت ہوئی اور فقیر کی ترغیب پر آپ نے اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے خزائن العرفان کے فرنچ ترجمے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس پر کام بھی شروع کر دیا۔فالحمد للہ علیٰ ذالک

ادارہ سوادِ اعظم اس اہم کام کے آغاز پر تمام نعیمی برادران اور تمامی اہل سنت کی جانب سے حضرت مولانا ہارون حسن صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتحسین پیش کرتا ہے اللہ کریم حضرت موصوف کے کام میں برکت عطا فرمائے اور جلد از جلد اس اہم علمی کی تکمیل فرمائے۔

منظومات

تجلیاتِ سخن

حمدِ باری تعالیٰ

تیری ذات سب سے عظیم ہے تیری شان جل جلالہ
تو ہراک سے بڑھ کر کریم ہے تیری شان جل جلالہ

تو قدیر ہے تو بصیر ہے تو نصیر ہے تو کبیر ہے
تو خبیر ہے تو علیم ہے تیری شان جل جلالہ

تو غفور بھی تو شکور بھی، تو ہی نور تو صبور بھی
تو حفیظ ہے تو حلیم ہے تیری شان جل جلالہ

تو مقیت بھی تو فرید بھی تو ممیت بھی تو وحید بھی
نہیں تیرا کوئی سہیم ہے تیری شان جل جلالہ

تو حسیب ہے تو رقیب ہے، تو مجیب ہے تو حبیب ہے
تو روف بھی تو رحیم ہے تیری شان جل جلالہ

تو شہید بھی تو رشید بھی تو مجید بھی تو معید بھی
تو حمید بھی تو حکیم ہے تیری شان جل جلالہ
تو ہے منتقم تو وکیل بھی، تو ہے مقتدر تو کفیل بھی

تو ہی نعمتوں کا قسیم ہے تیری شان جل جلالہ

تیرے دم سے باغ و بہار ہے کہ تجھی سے ہر سو نکھار ہے
تو گلوں میں وجہِ شمیم ہے تیری شان جل جلالہ

ملا حمد و نعت کا شوق جو، یہ مشاہدؔ خطا کار کو
یہ تیرا ہی فضل عمیم ہے تیری شان جل جلالہ

(ڈاکٹر مشاہد رضوی مالیگاؤں)

خدا حافظ

دلِ افگار کا خدا حافظ
تنِ بیمار کا خدا حافظ
گریہ غم رفیق ہر دم ہے
چشم خوں بار کا خدا حافظ
بے زری، بے کسی میں عزم حرم
ایسے ناچار کا خداحافظ
دشمنوں کے برے ارادے ہیں
مسلم زار کا خداحافظ
آندھیاں چل رہی ہیں آفت کی
گل بے خار کا خدا حافظ
آہ کرتی ہے آہ کش کو ذلیل
دل کے اسرار کا خداحافظ
چل دیے باغ سے چمن پیرا
گل و گلزار کا خداحافظ
کیاظالم نے آشیاں ویراں
بلبلِ زار کا خدا حافظ
جس کو لینا ہے عشق کا سودا
اس خریدار کا خدا حافظ
بندہ تنہا مصیبتیں بے حد
منعمؔ زار کا خداحافظ

(از امام الہند حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ)

اصلاحِ معاشرہ

دھوکہ

تحریر: دُرِّصدف اِیمان

گزشتہ روز کی بات ہے میری وہی روز کی مصروفیات تھی اکیڈمی میں تدریسی انجام دینے کے بعد جب گھر کی طرف جانے کے لیے باہر نکلی تو معلوم ہوا کے آج کراچی والوں پر بادل مہربان ہیں اور سرشاری سے برسنے کی ابتدا کردی ہے پر گھٹاؤں کی یہ مہربانی میرے لیے مشکل کھڑی کرگئی کہ گھر کیسے جاؤں؟؟؟؟

یکایک بجلی کوندی آسمان اور دماغ میں بیک وقت کہ اکیڈمی کے پچھلی جانب میں ہی میری دوست کا گھر ہے یہ خیال آتے ہی میں اس کے گھر کی جانب چل پڑی۔ جب میں وہاں پہنچی تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے عادت کے مطابق دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی۔۔۔۔ وہ بھی حسب عادت میری آواز سنتے ہی باہر آگئی لیکن۔۔۔۔ ہر بار اسے مجھے اپنے گھر دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔۔۔ پر آج مجھے ہوئی اسے دیکھ کر۔۔۔۔۔ وہ جو ہر وقت نکھری نکھری تتلیوں کی طرح رنگ ۔۔۔ پھولوں کی طرح خوشبوئیں بکھیرتی تھی آج خود بکھری ہوئی اپنے حال سے بے خبر لگ رہی تھی۔۔۔۔ پرشکن کپڑے۔۔ الجھی زلفیں ۔۔ سوجی آنکھیں۔۔ پریشانی و حیرت کے شدید جھٹکے سے میں اس وقت کچھ نہیں پوچھ پائی جب تک اس کے کمرے میں نہ آگئی۔۔۔۔۔ کچھ دیر بعد میری زبان کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو صرف اتنا پوچھ پائی کہ کیا ہوا؟ خیریت ہے نہ سب؟ پر جواب میں صرف خاموشی۔۔۔۔ گہری خاموشی۔۔۔۔

اس کی خاموشی اس کے کمرے میں پھیلا سنگین سکوت مجھے وہی ہزار بار کی الگ الگ انداز، مختلف لفظوں میں سنی ہوئی وہی جانی پہچانی ازلی داستان سنا رہی تھی۔۔۔ وہی آدم کے بیٹے کا حوّا کی بیٹی کو دینے والا دھوکہ سب کچھ سنا رہا تھا۔۔۔ پر اپنی دوست کی سمجھداری۔۔۔۔ کردار کی پختگی اس کی ذات کا فخر۔۔۔۔ مجھے اس ازلی داستان کی شدت سے نفی کرنے پر اُکسا رہا تھا۔۔۔۔ اور اسی نفی کی تقویت کے لیے میں نے دوبارہ پوچھا۔۔۔۔ اور اس بار اس کے لب خاموش نہ رہے اور اس کے لبوں سے آزاد ہونے والے لفظوں نے میری نفی ایک طرف کردی۔۔۔۔ اور ازلی داستان پر ایک بار پھر مہر لگ گئی۔۔۔۔ اس کے لب رو رو کر ایک ہی جملے کی گردان کرنے لگے اس نے مجھے دھوکہ دے دیا۔۔۔۔ اس نے مجھے دھوکہ دے دیا۔۔۔۔

اس ایک جملے کے بعد میرا کچھ سننے کو دل نہ چاہا۔۔۔۔ نہ ہی اس پرانی کہانی کو نئے انداز میں سمجھنے کا۔۔۔۔ پر شاید اسے اس وقت کسی سامع کی شدید ضرورت تھی جبھی اس کے الفاظ ایک جملے پر ختم نہیں ہوئے۔۔۔ اور جملے مضمون بنانے لگے۔۔۔۔۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔۔۔ مجھے دھوکہ دیا مجھے دل کا ٹکرا کہتا تھا اور دل کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔۔۔ مجھے زندگی کہتا تھا آج میری زندگی دشوار کردی۔۔۔۔ مجھے جان کہتا تھا پر میرا جینا مشکل کردیا۔۔۔۔ اس نے مجھے دھوکہ دے دیا۔۔۔ اس نے مجھے دھوکہ دے دیا۔۔۔۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی اور میری زبان گنگ تھی آنکھیں ساکت اسے تک رہی تھی۔۔۔۔ مگر میرا دماغ گنگ تھا، نہ ساکت۔۔۔۔۔

اگرچہ دل کو اس کی حالت پر رحم آرہا تھا۔۔۔۔ پر دماغ ان گنت سوالات کر رہا تھا۔۔۔۔ چیخ چیخ کر پوچھنا چاہ رہا تھا کہ۔۔۔۔۔۔ جب میسج پر میسج سینڈ ہوتے تھے ماں کو معلوم تھا؟؟؟؟! جب کال کا دورانیہ بڑھتے بڑھتے گھنٹوں تک جا پہنچتا تھا معلوم ہوتا تھا باپ کو جب دلفریب انداز میں لی گئی تصاویر سینڈ کرکے تعریفیں سمیٹ کر خوش ہوا جاتا تھا کسے معلوم ہوتا تھا؟؟ اس وقت دھوکہ کون دے رہا ہوتا تھا۔۔۔؟ دھوکے کی ابتدا کس نے کی تھی؟؟ ماں باپ بھائیوں کے مان کو پہلے کس نے توڑا۔۔۔ کس نے اعتبار کی کرچیاں کی۔۔۔۔ کس نے دھوکہ دیا پہلے۔۔۔۔۔ ماں باپ کے مان، بھروسے، اعتبار، دی ہوئی آزادی کو پہلے دھوکہ تم نے دیا تو آج اس دھوکے پر اتنا درد کیوں۔۔؟؟ کیوں اتنی تکلیف محسوس ہو رہی صرف ایک شخص کہ دھوکہ دینے پر؟

لیکن میرے یہ سوال صنف نازک سے ہی نہیں صنف مخالف سے

بھی ہے کہ دوسروں کے گھر کی عزت سے کھیلتے ہوئے اپنے گھر کی عزت کو کیوں بھول جاتے ہو؟ دوسروں کی بہنوں، بیٹیوں سے اپنا وقت سنہرا کرتے ہوئے ایک بار بھی یہ سوچ کیوں نہیں آتی کہ تمہاری بہن بھی کسی کا وقت رنگین کرنے کا باعث ٹھیک اسی طرح بن سکتی ہے.... دوسروں کی بہن، بیٹی کو سنہرے خواب دکھا کر.... رنگوں کے محل تعمیر کروا کر..... پھر ان خوابوں کو کرچی کرچی... اور رنگوں کے محل کو مسمار کر کے... ان سے ان کے خوش رنگ عکس تصویر کی صورت میں لے کر پھر ان پر نظریں جما کر ان کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سوچ کیوں نہیں آتی کہ ہماری بہنوں پر، ہماری بیٹیوں پر اس سے زیادہ غلیظ نگاہیں اٹھ سکتی ہیں۔

تو جو دوسروں کی عزت کا خیال نہیں رکھتے وہ اپنی عزت کے محفوظ ہونے کا یقین کس طرح رکھ سکتے ہیں؟ یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ جب وہ کسی لڑکی کے جذبات کو کھیل بنا رہے ہوتے ہیں.... تو انھیں بھی اس کھیل کا حصہ بنی ہوئی ہی لڑکی ہی ملے گی.... اگر ان کی یہ سوچ کے ان کے اس گندے کھیل کے بعد بھی انہیں چھوئے جذبات کی اس کے کانوں نے کبھی کسی دھوکے باز کی سرگوشی نہیں سنی ہوگی تو وہ دنیا کا بے وقوف ترین انسان ہے.... کیونکہ بابا کی شہزادی گڑیا جب کسی کے دل کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ کر کھلونا بننے کا دھوکہ کھا سکتی ہے... تو دھوکہ باز کو جیسے سچی عورت مل سکتی ہے؟ کانٹوں کی آبیاری کر کے گلابوں کی توقع عجیب نہیں عجیب تر ہے......

اور جن کی بہنیں نہیں وہ سوچنا کہ کیا بیٹی بھی کبھی نہیں ہوگی؟؟؟؟ اگر بیٹی بھی نہیں ہوئی تو کیا ان کی آخرت بھی کبھی نہیں ہوگی؟ صرف اتنا کہوں گی تمام نادان و سمجھدار لڑکیوں کہ

سنبھل کر چلنا اس رنگ بدلتی دنیا میں
یہاں لوگ پلکوں پر اٹھا لیتے ہیں نظروں سے گرانے کے لیے

اللہ سب بہنوں، بیٹیوں کی عزت کی حفاظت فرمائے اور امت مسلمہ کے تمام مرد و عورت کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی شرم و حیا سے نواز دے آمین ثم آمین

۳۳۳۳۳۳

گونگی ہوگئی ہے آج۔۔۔

گونگی ہوگئی ہے آج کچھ زبان کہتے کہتے
ہچکچا گیا میں خود کو مسلمان کہتے کہتے
یہ بات تو نہیں ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں ہے
بس ڈر گیا میں خود کو صاحب ایمان کہتے کہتے
توفیق نہ ہوئی مجھ کو ایک وقت کی نماز پڑھنے کی
چپ ہوگیا موذن اذان کہتے کہتے
کسی کافر نے جب یہ پوچھا کہ یہ کونسا مہینہ ہے
شرم سے پانی ہوگیا میں رمضان کہتے کہتے
میری الماری میں گرد سے جمی کتاب کا جو کسی نے پوچھا
میں گڑ گیا زمین میں قرآن کہتے کہتے

(آفتاب احمد)

اہم شخصیات کی تاریخ پیدائش اور وفات

شاہ جہاں۔۔پیدائش ۵ جنوری ۱۵۹۲ء جائے پیدائش لاہور۔وفات ۵ جنوری ۱۹۶۵ء جائے وفات آگرہ، ہندوستان

اورنگ زیب۔ ۴ نومبر ۱۶۱۸ء، وفات ۳ مارچ ۱۷۰۷ء جائے وفات احمد نگر مہاراشٹر ہندوستان

حضرت نظام الدین اولیاء۔ پیدائش ۱۲۳۸ء جائے پیدائش بدایوں، وصال ۱۳۲۵ء جائے وفات دہلی

مخدوم علاؤ الدین احمد صابر کلیری، پیدائش ۲۲ فروری ۱۱۹۶ء جائے ولادت کوتوال ملتان پاکستان

مرزا اسد اللہ خاں غالب، پیدائش ۲۷، دسمبر ۱۷۹۷ء جائے ولادت آگرہ، وفات ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء بقام دہلی

میر تقی میر، پیدائش ۱۷۲۳ء جائے ولادت آگرہ، وفات ۱۸۱۰ء بمقام لکھنو۔

اقوال زریں

زندگی میں جب کچھ بڑا مل جائے تو۔۔۔۔۔چھوٹے کو کبھی نہ بھلانا کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جہاں سوئی کا کام ہے وہاں تلوار کام نہیں کرتی۔

اصلاحِ معاشرہ

اصلاح

تحریر: پروفیسر اسمٰعیل بدایونی

وہ بہت تھک چکا تھا۔

کیا اُمید کی کوئی کرن باقی ہے؟اس نے خود سے سوال کیا۔

عرس کی محفل کے اختتام پر لنگر شروع ہو چکا تھا۔بھئی واہ کیا لاجواب بریانی پکائی ہے،مزہ آگیا۔اور بچھیا کے گوشت کی بریانی تو بنتی بھی شاندار ہے۔لوگوں کے تبصرے جاری تھے۔وہ یہ سب کچھ حیرت سے سُن رہا تھا۔

اگر اس کی جگہ کتب تقسیم کردی جاتیں تو کیا ہی بہتر ہوتا۔وہ چپ نہ رہ سکا۔

ایک دوادھیڑ عمر کے لوگوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

سنو میاں! یہ لنگر شریف ہے۔ایک نے تو باقاعدہ آستین چڑھاتے ہوئے کہا

لنگر شریف کیا کتابوں کا نہیں ہوسکتا؟اس نے انتہائی عاجزی سے پوچھا

یہ لگتا ہے کوئی بدمذہب آگیا ہے؟ان میں سے ایک نے باقاعدہ آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

نہیں بھائی! میں بد مذہب نہیں ہوں۔ میں تو خوش عقیدہ سنّی مسلمان ہوں۔اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

لیکن شاید اس کی یہ صفائی کسی کے لیے وہاں قابلِ قبول نہیں تھی۔

اس کو نکالو یہاں سے۔کسی منچلے نے آواز لگائی

ارے ہاں! اس سے پہلے کہ تمھیں دھکے دے کر نکالا جائے،خود دفع ہوجاؤ۔ایک صاحب نے ماتھے کی تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا

میری بات سُن لو، اچھی لگے تو مان لینا ورنہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔

اچھا جلدی سے مکمل کر واپنی بکواس اور دفع ہو یہاں سے۔

میرے عزیزو! ایک مفلوک الحال شخص کو کھانا کھلانا بے شک ثواب کا کام ہے،ضرور کیجیے۔مگر اس سے کہیں زیادہ اہم اس کی اصلاح ہے۔یہ ممکن ہے کہ آپ اس کا پیٹ تو بھر دیں مگر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اس کی اصلاح بھی کردی۔

کیا مطلب؟ تمہاری بات کچھ سمجھ آئی اور کچھ نہیں آئی، وضاحت کرو۔ان میں سے ایک نے کہا۔

بات اتنی سی ہے کہ ہم نے اصلاح کے بغیر پیٹ کو بھرنے کی رسم کو جاری رکھا تو یاد رکھیے انسان کا پیٹ تو بھر جائے گا لیکن اصلاح نہیں ہو پائے گی۔

ارے یہ باتوں میں الجھا رہا ہے، بدعقیدہ معلوم ہوتا ہے۔نکالو اس کو یہاں سے۔ایک اور آواز آئی

سنو! اے لوگو! مجھے بدعقیدہ، بدمذہب کہنے سے یہ حقیقت دور نہیں ہوگی کہ جن لوگوں کو تم بدعقیدہ اور بدمذہب کہتے ہو، اسی شہر میں ان کے سب سے زیادہ کتب خانے ہیں اور کسی قوم کے پڑھے لکھے لوگوں کا گراف اس کے کتب خانوں اور اس کے لکھاریوں سے لگایا جاتا ہے۔

افسوس! ایک جاہل سبزی فروش کے سامنے اگر کوئی دوسرا سبزی کا ٹھیلا لگالے تو وہ سوچتا ہے کہ میں کیسے اس سے بہتر ہوسکتا ہوں؟

کوئی بن کباب کا ٹھیلا لگالے تو اس کے مقابل بن کباب والا اس سے بہتر کا سوچتا ہے۔

مگر معلوم نہیں تم کون لوگ ہو جو صبح شام مخالفین کو کوستے ہو، مگر ان سے کچھ سیکھتے نہیں ہو۔ان کا مہتمم اور دارالعلوم دونوں خوب ترقی کر رہے ہیں اور افسوس تمہارا صرف مہتمم ہی ترقی کرتا نظر آرہا ہے۔

ان کے دارالعلوم ، یونیورسٹی کی شکل اختیار کرتے جارہے ہیں اور تمہارے دارالعلوم کھنڈرات بن رہے ہیں ۔ گالیوں سے نکلیے، کوسوں سے نکلیے، عملی میدان میں آکر علمی کام کیجیے جیسے آپ کے اسلاف نے کیا تھا۔ عرس اور گیارہویں شریف، بارہویں شریف میں کتابوں کا لنگر کیجیے۔اپنی قوم کی علمی بنیادوں میں تعمیرِ نو کیجیے! ورنہ داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

نکالو اس کو یہاں سے۔۔۔اور درویش وہاں سے چلا گیا

وہ بہت تھک چکا تھا۔

کیا اُمید کی کوئی کرن باقی ہے؟اس نے خود سے سوال کیا؟

قارئین کے خطوط

70واں عرس نعیمی قادری عرس صدرالا فاضل مبارک ہو

فخر صحافت علامہ غلام مصطفی نعیمی صاحب ایڈیٹر سواد اعظم دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔۔۔

سواد اعظم سنیت کی پہچان مسلک اعلحضرت کا پاسبان اور تعلیمات امام الہند صدرالا فاضل وافکار ونظریات کا سچا ترجمان ہے۔

یہ صرف عقدت کے جملہ نہیں بلکہ صرف اور صرف حقیقت کا واضح بیان ہے۔

سواد اعظم دہلی کی ابتدا سے لیکر اب تک جتنے بھی شمارے منظر عام پر آئے الحمدللہ فقیر نے سب کا مطالعہ کیا اور اب فدائے ملت لائبریری خانقاہ عالیہ نعیمیہ قادریہ اسلام پور بیر بھوم مغربی بنگال وہ زینت بنے ہوئے ہیں۔

وقت اور حالات کے تقاضوں کو بخوبی سمجھ کر ان سے جڑے سلگتے ہوئے مسائل کو آپنے جس حسن وخوبی سے شامل اشاعت شمارہ کیا اس کے لیے آپ لائق مبارکباد ہیں۔

الحمدللہ سواد اعظم ملک اور بیرون ملک میں بہت ہی محبت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

صاحب قلم کے خوب صورت مضامین اور ان تحریروں کی جامعیت نے سواد اعظم کو اتنے کم وقت میں اہل علم کو اپنی محبت کی زنجیر میں جکڑ لیا ہے۔

جس کی وجہ سے آج نوجوان علماء و طلبہ مدارس جو حضور صدرالا فاضل جیسی عظیم الشان شخصیت کو فقط خزائن العرفان فی تفسیر القرآن تک ہی جان رہے تھے اب سواد اعظم کے ذریعہ آپکی جامع الصفات شخصیت کو پڑھ کر آپکی تبحر علمی اور دیگر علوم وفنون پر آپکی دسترس کو بھی جاننے کا اور پڑھنے کا موقع ملیگا۔

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں دست بدعا ہونکہ مولی اپنے حبیب رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل مولانا غلام مصطفی نعیمی صاحب کی عمر میں اقبال میں برکتیں عطا فرمائے اور سواد اعظم کے ذریعے فیضان صدرالا فاضل عالم سنیت پر جاری فرمائے اور مولانا غلام مصطفی نعیمی صاحب کے بازوں میں عزم وقوت حیدری کا صدقہ عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ حبیب الکریم

احقر۔سید نظام الدین نجم نعیمی غفرلہ
بانی وجنرل سیکرٹری صدرالا فاضل سوسائٹی۔
خانقاہ نعیمیہ اسلامپور مغربی بنگال

حضرت فدائے ملت کی حیات وخدمات کے متعلق ضمیمہ کی اشاعت پر حضرت مولانا غلام مصطفی نعیمی مدظلہ العالی کی خدمت میں ہدیۂ تبریک:

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآدی علیہ الرحمہ ایک باکمال شخصیت کا نام ہے جب بھی آپ کا اسم گرامی پڑھا اور سنا جائے توفوراًذہن میں ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت سامنے آجاتی ہے جو بیک وقت عظیم مصنف، مدرس، مفسر، مفتی، مناظر اور عظیم رہنما ہے، حضرت صدرالا فاضل نے صحافت، تبلیغ، تقریر، تحریر اور سیاست کے میدان میں اہل سنت کی خوب خدمات سرانجام دیں، ان خدمات کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔حضرت صدرالا فاضل کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادگان نے آپ کے مشن کو زندہ رکھا۔اور اہلِ سنت کی خدمت انجام دیتے رہے۔حضرت صدرالا فاضل کے نبیرہ اور صدرالعلماء حضرت علامہ سید ظفرالدین نعیمی علیہ الرحمہ کے صاحبزادۂ والاشان فدائے ملت حضرت علامہ سید مظفرالدین نعیمی علیہ الرحمہ نے بنگال میں اہلِ سنت کی بہت خدمت انجام دی اور دیگر تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہاں اہلِ سنت کے مدارس قائم کیے۔ ماہنامہ سوادِ اعظم، مرادآباد کی خدمات کے اعتراف میں جاری کردہ علمی وتحقیقی سہ ماہی مجلہ سوادِ اعظم، دہلی کے ایڈیٹر پیکرِ اخلاص قاطع بدمذہبیت محب گرامی وقار حضرت علامہ مولانا غلام مصطفی نعیمی مدظلہ العالی (خلیفہ ومجاز نبیرانِ حضرت صدرالا فاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ وخلیفہ جانشین تاج العلما حضرت مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب کراچی، خلیفہ ومجاز شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی

میاں مدظلہ العالی) یقیناً مبارک باد کے قابل ہیں کہ آپ نے سچے جذبۂ اسلاف شناسی کے تحت حضرت فدائے ملت کے متعلق سہ ماہی مجلہ سوادِ اعظم، دہلی کا خصوصی ضمیمہ شائع کیا ہے۔ آپ اس سے قبل حضرت صدرالافاضل کی کتب ''الکلمۃ العلیا'' (جدید تخریج وحواشی)، ''التحقیقات''، ''اسلام اور ہندوستان'' اور تاج العلماء حضرت مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کے ماہنامہ سوادِ اعظم، مرادآباد میں شائع ہونے والے مقالات کو ''مقالاتِ تاج العلماء'' کے نام سے مرتب اور شائع کر کے علمی حلقوں سے دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ اللہ کریم آپ کی ان خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے اور خدمتِ دین کی مزید توفیق دیے رکھے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

میثم عباس قادری رضوی، لاہور، پاکستان
۲۵ مارچ ۲۰۱۶ء / ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

تأثر گرامی

جانشین فدائے ملت پیر طریقت رہبر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین نجم میاں صاحب سے میرے دیرینہ مراسم اور عالمانہ و برادرانہ رفاقت ہے جس میں عزت واحترام کے عنصر کو نمایاں مقام حاصل ہے، حضرت علامہ غلام مصطفی نعیمی مدیر ''سوادِ اعظم'' دہلی کی کاوشوں کا حسین مرقع ''خصوصی شمارہ فدائے ملت'' نظر نواز ہوا آنکھیں ٹھنڈی اور دل روشن ہو گیا، اللہ تعالیٰ مدیر موصوف کو جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور ان کے خانوادہ کی ہندوستان میں تعلیمی وسماجی خدمات کی ایک علیحدہ تاریخ ہے جن سے اغماض برتنا کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔ شاید یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں اور خاص کر اہل سنت اور رضویات کی جو بھی تعلیمی وسماجی حیثیت ہے اس میں اس نعیمی خانوادہ کی بھی عظیم الشان علمی وروحانی کارناموں کا بڑا حصہ ہے۔

حضرت فدائے ملت کے تمام شہزادگان قابل مبارک باد ہیں خصوصیت کے ساتھ پیر طریقت حضرت علامہ سید عظیم الدین صاحب سجادہ، حضرت علامہ سید نظام الدین نعیمی جو اپنے علم وعمل خلوص واخلاق کے حوالہ سے مسلک، ملت اور قوم وملک کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے اس خصوصی شمارہ کا مقصد دنیائے اسلام کو اس خانوادہ کے ایک بطل جلیل ماضی قریب کی ایک ہمہ جہت شخصیت فدائے ملت حضرت علامہ سید مظفر الدین احمد کی حیات وخدمات سے روشناس کرانا ہے تاکہ دنیا اس سے روشنی حاصل کرتی رہے۔

حضرت فدائے ملت نے دینی اور عصری علوم سے آراستہ ہوکر اپنے خانوادہ کی علمی وراثت کی حفاظت فرمائی اور اس روایت کو اپنی نسل میں منتقل کرنے کا قابل تقلید کردار ادا کیا۔ امید ہے کہ اس خصوصی شمارہ سے فدائے ملت اور ان کے اسلاف شناسی کے خفیہ گوشے سامنے آئیں گے جس سے امت کے نونہالوں کو درس واستفادہ کی توفیق ملے گی۔

ربّ کریم اپنے حبیب اور ہمارے بزرگوں کے صدقے اس خصوصی شمارہ کو قبولیت عام سے نوازے اور فدائے ملت کے متوسلین، خصوصی شمارہ کی اشاعت میں دامے درمے قدمے حصہ لینے والوں اور تمام ارادت مندوں کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

نقیب ہندوستان حضرت مولانا محمد الیاس فیضی
ناظم اعلیٰ دارالعلوم حنفیہ غریب نواز بکارو جھارکھنڈ

aaaaa

وہابی مذہب کا نام اہل حدیث انگریزوں نے رکھا:

غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرت سری نے لکھا ہے کہ ''لفظ وہابی آپ (محمد حسین بٹالوی) ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (سیرت ثنائی حاشیہ ص ۳۵۲)

نوٹ: دسمبر ۱۸۵۷ء کو غیر مقلدوں کا نام اہل حدیث میں تبدیل ہوا، اس سے پہلے دنیا میں کسی مذہب کا نام اہل حدیث نہیں تھا۔